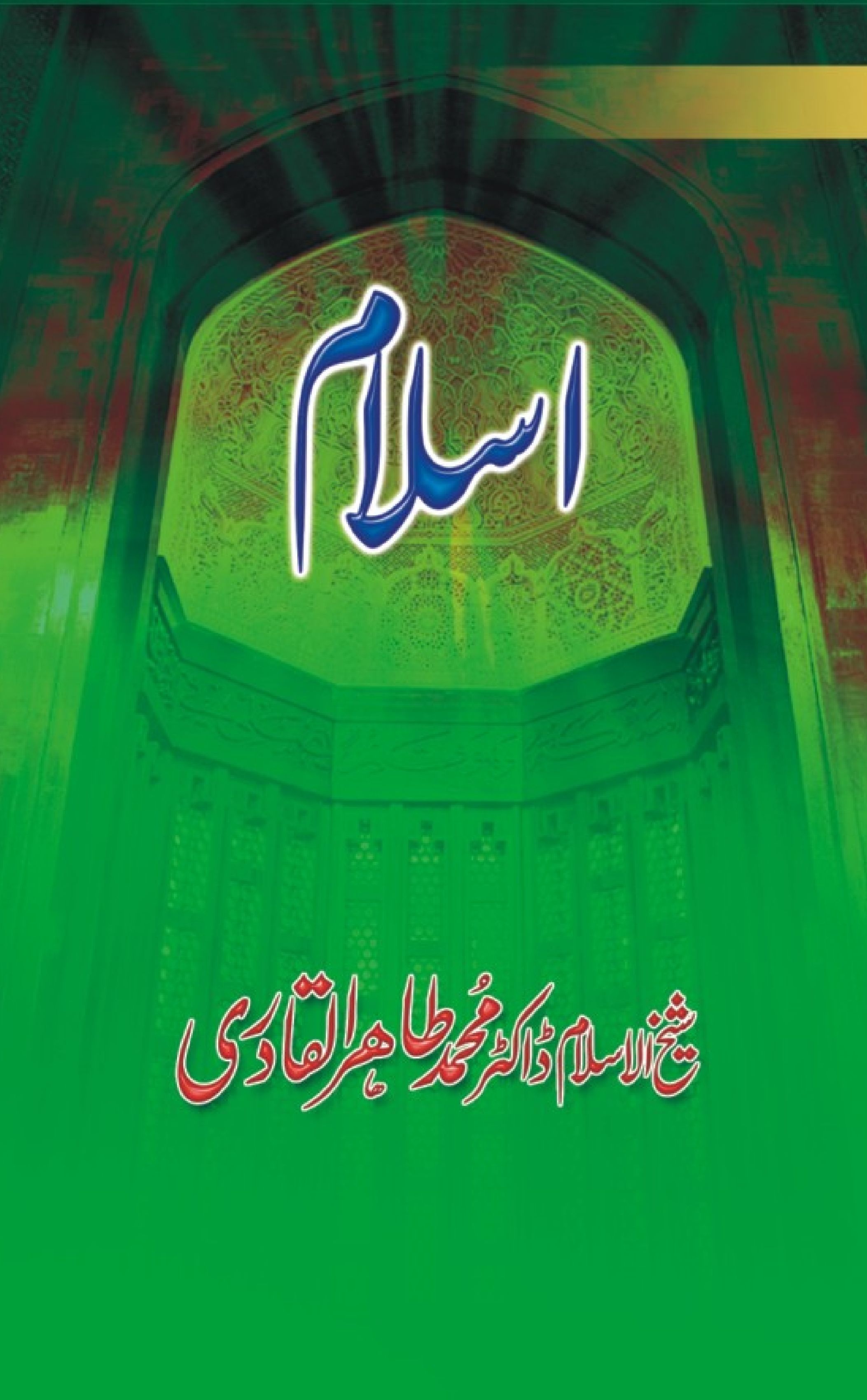


اسلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

سلسلہ اِشاعت ۳

تعلیماتِ اِسلام

(اِسلام)

ماخوذ اَز اِفادات و ملفوظات

مرتبہ:

مسز فریدہ سجاد

شعبہ دعوت، منہاج القرآن ویمن لیگ

منہاج القرآن پبلی کیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

بسم الله الرحمن الرحيم

مَـوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُـحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْـفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چِٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۹۷۰-۳۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چِٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں وکشمیر کی چِٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

سلسلہ اِشاعت (۳): تعلیماتِ اِسلام

نام کتاب	:	اِسلام
اَز اِفادات وملفوظات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
مرتبہ	:	مسز فریدہ سجاد
معاونہ	:	مصباح کبیر
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اکتوبر 2006ء (1,100)
اِشاعتِ دوم	:	مئی 2007ء (1,100)
اِشاعتِ سوم	:	مئی 2008ء (1,100)
اِشاعتِ چہارم	:	ستمبر 2009ء (1,100)
اِشاعتِ پنجم	:	جنوری 2010ء (1,100)
اِشاعتِ ششم	:	دسمبر 2010ء
تعداد	:	1,200
قیمت	:	-/100 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

فہرس

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
✲	پیش لفظ	۱۳
۱	اسلام کا معنی ومفہوم کیا ہے؟	۱۵
۲	اسلام کا موضوع کیا ہے؟	۱۶
۳	دین کسے کہتے ہیں؟	۱۷
۴	دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟	۱۸
۵	اسلام مذہب ہے یا دین؟	۱۸
۶	اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین کون سا ہے؟	۱۹
۷	دین کے کتنے درجے ہیں؟	۲۰
۸	اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟	۲۳
۹	شہادت توحید سے کیا مراد ہے؟	۲۳
۱۰	شہادت توحید کی شرائط کیا ہیں؟	۲۴
۱۱	سورۂ اخلاص کوسورۂ توحید کیوں کہتے ہیں؟	۲۵
۱۲	اسلام میں ذکر الٰہی کی کیا فضیلت ہے؟	۲۶
۱۳	شرک کسے کہتے ہیں؟	۲۸

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
۱۴	عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت کا باہمی ربط و تعلق کیا ہے؟	۲۹
۱۵	شہادتِ رسالت سے کیا مراد ہے؟	۲۹
۱۶	شہادتِ رسالت کی شرائط کیا ہیں؟	۳۲
۱۷	ختم نبوت سے کیا مراد ہے؟	۳۳
۱۸	حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دعوٰی کرنے والے کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟	۳۴
۱۹	درود وسلام کی کیا فضیلت ہے؟	۳۵
۲۰	کیا اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی ہے؟	۳۸
۲۱	کیا کلمہ طیبہ پڑھ لینا ہی نجات کیلئے کافی ہے؟	۳۸
۲۲	فقہ سے کیا مراد ہے؟	۴۰
۲۳	اسلامی فقہ کے بنیادی ماخذ کون سے ہیں اور ان کی ترتیب کیا ہے؟	۴۲
۲۴	اجتہاد سے کیا مراد ہے؟	۴۴
۲۵	اسلامی قانون سازی کے عمل میں اجتہاد کی کیا اہمیت ہے؟	۴۴
۲۶	کیا مجتہد کے لئے مخصوص اوصاف و شرائط کا ہونا ضروری ہے یا اسلام میں ہر شخص کو اجتہاد کرنے کی اجازت ہے؟	۴۶

صفحہ	سوالات	نمبر شمار
۴۸	مذاہب اربعہ اور ائمہ اربعہ سے کیا مراد ہے؟	۲۷
۴۸	امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ اور مختصر تعارف کیا ہے؟	۲۸
۵۱	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف کیا ہے؟	۲۹
۵۲	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف بیان کریں؟	۳۰
۵۳	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف بیان کریں؟	۳۱
۵۴	مقلد اور غیر مقلد میں کیا فرق ہے؟	۳۲
۵۵	تقلید شخصی سے کیا مراد ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	۳۳
۵۶	تقلید کے فوائد وثمرات کیا ہیں؟	۳۴
۵۷	احکام شریعت کیا ہیں؟	۳۵
۵۷	فرض کسے کہتے ہیں؟	۳۶
۵۷	واجب کسے کہتے ہیں؟	۳۷
۵۸	سنت کسے کہتے ہیں؟	۳۸
۵۸	سنت کی کتنی اقسام ہیں؟	۳۹
۵۸	سنت مؤکدہ سے کیا مراد ہے؟	۴۰
۵۸	سنت غیر مؤکدہ سے کیا مراد ہے؟	۴۱
۵۹	مستحب کسے کہتے ہیں؟	۴۲

صفحہ	سوالات	نمبر شمار
۵۹	مباح کسے کہتے ہیں؟	۴۳
۵۹	حرام کسے کہتے ہیں؟	۴۴
۶۰	مکروہ کسے کہتے ہیں؟	۴۵
۶۰	مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی میں کیا فرق ہے؟	۴۶
۶۱	عبادت کا معنی کیا ہے؟	۴۷
۶۲	اسلام کا حقیقی تصورِ عبادت کیا ہے؟	۴۸
۶۲	نماز (صلٰوۃ) سے کیا مراد ہے؟	۴۹
۶۴	نماز کن لوگوں پر فرض ہے؟	۵۰
۶۵	نماز کی کتنی قسمیں ہیں؟	۵۱
۶۵	نماز کس عمر میں فرض ہوتی ہے؟	۵۲
۶۶	ادائیگی نماز میں خواتین کے مخصوص مسائل کیا ہیں؟	۵۳
۶۶	نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں کیا فرق ہے؟	۵۴
۶۷	نماز کو مومن کی معراج کیوں کہا جاتا ہے؟	۵۵
۶۹	زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟	۵۶
۷۱	زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟	۵۷
۷۲	مصارفِ زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟	۵۸
۷۲	زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط کیا ہیں؟	۵۹

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
۶۰	سونے چاندی پر زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟	۷۴
۶۱	زیور کی زکوٰۃ مرد کی ذمہ داری ہے یا عورت کی؟	۷۵
۶۲	انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟	۷۵
۶۳	صدقاتِ واجبہ اور صدقاتِ نافلہ سے کیا مراد ہے؟	۷۷
۶۴	اسلام میں فضول خرچی کی کیا مذمت بیان ہوئی ہے؟	۸۰
۶۵	اسلام میں صبر وشکر کی کیا اہمیت ہے؟	۸۲
۶۶	روزہ (صوم) سے کیا مراد ہے؟	۸۶
۶۷	روزہ فرض ہونے کی کیا شرائط ہیں؟	۸۶
۶۸	روزہ کی فضیلت واہمیت کیا ہے؟	۸۷
۶۹	روزہ ترک کرنے کی وعید کیا ہے؟	۸۸
۷۰	روزہ کی کتنی اقسام ہیں؟	۸۸
۷۱	کن صورتوں میں رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے؟	۹۰
۷۲	رمضان المبارک میں خواتین کے مخصوص مسائل کیا ہیں؟	۹۰
۷۳	حج کسے کہتے ہیں؟	۹۱
۷۴	ایک مسلمان پر زندگی میں حج کب اور کتنی بار فرض ہے؟	۹۱
۷۵	حج کے فرائض کیا ہیں؟	۹۲

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
۷۶	حج کے واجب ہونے کی شرائط کیا ہیں؟	۹۳
۷۷	عمرہ کسے کہتے ہیں؟	۹۴
۷۸	عمرہ کے فرائض اور واجبات کیا ہیں؟	۹۴
۷۹	کیا عورت محرم کے بغیر حج کر سکتی ہے؟	۹۴
۸۰	اسلام کا تصورِ دعوت وتبلیغ کیا ہے؟	۹۵
۸۱	کیا کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا جائز ہے؟	۹۶
۸۲	اگر کوئی کافر جنگ میں خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟	۹۷
۸۳	اسلام قبول کرنے والے شخص کے قبولِ اسلام سے پہلے کے اعمال کے متعلق کیا حکم ہے؟	۹۸
۸۴	اسلام کردار کے زور سے پھیلا ہے یا تلوار کے زور سے؟	۱۰۱
۸۵	اسلام میں جہاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟	۱۰۲
۸۶	اسلام میں جہاد کا عمومی تصور کیا ہے؟	۱۰۵
۸۷	جہاد کی کتنی اقسام ہیں؟	۱۰۶
۸۸	تصوف سے کیا مراد ہے؟	۱۰۸
۸۹	رہبانیت کسے کہتے ہیں، اسلام میں اس کا کیا حکم ہے؟	۱۰۹
۹۰	بدعت کسے کہتے ہیں اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	۱۱۱

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
۹۱	بدعت کی کتنی اقسام ہیں؟	۱۱۵
۹۲	اسلامی معاشرے کا قیام کیوں ضروری ہے؟	۱۱۷
۹۳	سب سے پہلی اسلامی ریاست کا قیام کب اور کہاں عمل میں آیا؟	۱۱۹
۹۴	اسلام میں انسانی حقوق کا کیا تصور ہے؟	۱۱۹
۹۵	اسلام میں والدین کے کیا حقوق بیان ہوئے ہیں؟	۱۲۱
۹۶	اسلام میں رشتہ داروں کے کیا حقوق بیان ہوئے ہیں؟	۱۲۵
۹۷	اسلام میں ہمسایوں کے کیا حقوق ہیں؟	۱۲۷
۹۸	اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کیا ہیں؟	۱۲۹
۹۹	اسلام میں غیبت کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟	۱۳۲
۱۰۰	اسلام نے عورت کو معاشرے میں کیا مقام دیا ہے؟	۱۳۴
۱۰۱	اسلام کے معاشی نظام کی کیا خصوصیات ہیں؟	۱۳۹
۱۰۲	اسلام اور سائنس کا باہمی تعلق کیا ہے؟	۱۴۲
۱۰۳	اسلام انسانی زندگی میں کیسا انقلاب بپا کرنا چاہتا ہے؟	۱۴۴
۱۰۴	فرقہ پرستی سے کیا مراد ہے اور اسکا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟	۱۴۵
۱۰۵	اس وقت تحریک منہاج القرآن ایک ہمہ گیر تحریک ہونے کے ناطے کیا کردار ادا کر رہی ہے؟	۱۴۷

پیش لفظ

اسلامی تعلیمات کو آسان ترین پیرائے میں ذہن نشین کرانے کے لئے ہر دور میں علماء امت اپنے اپنے طریقوں اور وقتی و مقامی تقاضوں کے مطابق کاوشیں کرتے رہے ہیں۔ ان میں پنجابی اور فارسی کی کچھ منظوم کتب تو اب تک متداول ہیں اور دیہاتوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد بھی یہی ہوتا تھا کہ اسلامی عقائد، فرائض اور سنتوں کی معرفت حاصل کی جاسکے اور لوگ ارکانِ اسلام کی بجا آوری خود اعتمادی اور دلجمی سے کرسکیں۔

جس طرح لوگوں کی فہم و بصیرت کے درجات مختلف ہیں جو عمر، تعلیم اور عملی تجربے سے متعین ہوتے ہیں اسی طرح اسلامی احکام کی تشریح و تعبیر کی بھی مختلف سطحیں ہیں۔ ان ذہنی سطحوں جن کا ہر دور کے علماء نے **کلموا الناس علی قدر عقولھم** (لوگوں کے ساتھ ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کرو) کے اصول کے مطابق پورا پورا خیال رکھا ہے۔

عصر حاضر میں تجدید و احیائے اسلام کی نقیب، تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے عقیدہ و عمل میں اصلاح اور دعوت و ارشاد کے لئے جن مختلف ذرائع کو استعمال میں لایا جا رہا ہے ان میں سے ایک علمی و فکری اور دعوتی و تربیتی لٹریچر بھی ہے۔ اس لٹریچر میں تفسیری کتب بھی شامل ہیں اور احادیث نبوی ﷺ کے مرتبہ مجموعے بھی۔ ارکان ایمان، ارکانِ اسلام اور سیرت و فضائل نبوی ﷺ پر مشتمل سینکڑوں کتب بھی۔ لیکن ان موضوعات پر مبنی کتب کا اپنا ایک معیار ہے۔ پھر طویل اصولی نظریاتی اور استدلالی ابحاث ہیں جن سے عام طور پر معمولی تعلیم یافتہ لوگ استفادہ نہیں کرسکتے۔ چنانچہ قائد محترم کے حکم پر فرید ملّت ؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ کے پلیٹ فارم سے عام الناس خصوصاً کم پڑھی لکھی خواتین، جن کا بہت بڑا حصہ گھر داری اور بچوں کی پرورش میں گزرتا ہے ان کے لئے سوالاً جواباً تعلیماتِ اسلام سیریز کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیاہے۔ اب تک اس سلسلے کی ۳ کتب

شائع ہو چکی ہیں جن میں عمومی موضوعات پر مشتمل ایک کتاب کے علاوہ ایمان اور احسان پر الگ الگ ۱۰۰ سوالات کے جوابات شامل ہیں۔ ان معلوماتی نوعیت کی ضروری تعلیمات کے مواد کی ابتدائی تیاری ہماری دو فاضل بہنوں (فریدہ سجاد اور مصباح کبیر) نے کی جو بالعموم شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب و کیسٹ اور ان کے غیر مطبوعہ مسودات سے تیار کیا گیا تھا۔ بعد ازاں اس مسودے کو حسب ضرورت سینئر احباب نے بھی بالاستیعاب دیکھا۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ زندگی کے اہم گوشوں پر حتی المقدور دینی راہنمائی کا اہتمام کیا جائے۔ عقائد و اعمال اور روز مرہ کے مسائل حیات پر اتنی آسان پیرائے میں اتنی معلومات پر مشتمل کوئی کتاب ہماری نظروں سے نہیں گزری۔ یہ کتاب کئی اعتبار سے منفرد قرار دی جاسکتی ہے مثلاً اس میں سادگی کے ساتھ ساتھ جدت کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ قبل ازیں اس نوعیت کی کتب میں سے اردو زبان میں رکن دین جیسی کتب موجود تھی مگر تغیر پذیر احوالِ حیات نے بہت سے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو ان کتب میں موجود ہی نہیں۔ اس کتاب کی دوسری اور اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زبان و بیان کو حتی الامکان آسان اور سہل بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ ایسے خواتین و حضرات بھی اس کا مطالعہ آسانی سے کرسکیں جو محض اردو پڑھنا جانتے ہوں۔ اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معلومات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ علمی اور تحقیقی معیار کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ جہاں ضروری سمجھا گیا ہے حوالہ بھی دے دیا گیا ہے تاکہ مزید تفصیل طلب خواتین حضرات اصل مصادر تک بھی رسائی حاصل کرسکیں۔

اِن شاء اللہ تعلیماتِ اسلام کا یہ معلوماتی سلسلہ قبول عام حاصل کرے گا اور اس طرح کی مزید کتب بھی دینی حقائق کو آسان ترین پیرائے میں بیان کرنے کے لئے زیور طبع سے آراستہ ہوتی رہیں گی۔

(ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری)

ڈائریکٹر، فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال نمبر ۱: اسلام کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

جواب: اسلام کا لفظ س، ل، م، سَلَمَ سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معانی بچنے، محفوظ رہنے، مصالحت اور امن و سلامتی پانے اور فراہم کرنے کے ہیں۔ حدیث نبوی میں اس لغوی معنی کے لحاظ سے ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (۱)

''بہتر مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اسی مادہ کے باب اِفعال سے لفظ 'اسلام' بنا ہے۔ لغت کی رو سے لفظ اسلام چار معانی پر دلالت کرتا ہے۔

۱۔ اسلام کا لغوی معنی خود امن وسکون پانا، دوسرے افراد کو امن و سلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده، ۱: ۱۳، رقم: ۱۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب: تفاضل الاسلام و ای اموره أفصل، ۱: ۶۵، رقم: ۴۰

(۲) المائدة، ۵: ۱۶

’’اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے۔‘‘

۲۔ ’اسلام‘ کا دوسرا مفہوم ماننا، تسلیم کرنا، جھکنا اور خود سپردگی و اطاعت اختیار کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَo (۱)

’’اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا: (میرے سامنے) گردن جھکا دو، تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیاo‘‘

۳۔ ’اسلام‘ میں تیسرا مفہوم صلح و آشتی کا پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً. (۲)

’’اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔‘‘

۴۔ اسی طرح ایک بلند و بالا درخت کو بھی عربی لغت میں السّلم کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا معانی کے لحاظ سے لغوی طور پر اسلام سے مراد امن پانا، سرِ تسلیم خم کرنا، صلح و آشتی اور بلندی کے ہیں۔

سوال نمبر۲: اسلام کا موضوع کیا ہے؟

جواب: اسلام کا موضوع انسان کے اعمال و افعال ہیں جن کے علم کو اصطلاحاً ’’علم الفقہ‘‘ کہتے ہیں۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۳۱

(۲) البقرة، ۲: ۲۰۸

سوال نمبر۳: دین کسے کہتے ہیں؟

جواب: دین ایک وسیع اور جامع اصطلاح ہے۔ دین کا معنی ہے: نظامِ زندگی، سیرت، فرمانبرداری، برتاؤ، سلوک اور حساب و احتساب، ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ برتاؤ ہو یا مخلوق کا خالق کے ساتھ معاملہ، ان سب باتوں کو دین کہا جائے گا۔ صحیح بخاری میں دین کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

اَلدِّیْنُ: اَلْجَزَاءُ فِي الْخَیْرِ وَ الشَّرِّ.(۱)

''دین خیر اور شر کی جزا کا نام ہے۔''

قرآن حکیم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ذکر کیا تو دین کا لفظ استعمال کیا:

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَo(۲)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کر دے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریںo''

یعنی دین اُسی نظام کو کہا جا سکتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہو

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحة الکتاب، ۴:۱۶۲۳

(۲) الصف، ۶۱: ۹

اور انفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کو محیط ہو اور ہر شعبۂ حیات میں مؤثر اور قابلِ عمل رہنمائی مہیا کر سکتا ہو۔

سوال نمبر۴ : دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟

جواب: عام طور پر دین اور مذہب کو ایک دوسرے کے مترادف تصور کیا جاتا ہے، جبکہ ان دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ دین کل ہے اور کسی بھی نظام کے اصول وضوابط کا نام ہے۔ نیز دین، دنیا و آخرت کے تمام گوشوں کو محیط ہے اس کے برعکس مذہب جزو ہے جو شرعی عبادات احکامات سے متعلق رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر۵ : اسلام مذہب ہے یا دین؟

جواب: اسلام دین ہے مذہب نہیں کیوں کہ دین میں زیادہ وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے کسی بھی جگہ اسلام کو مذہب نہیں بلکہ ہمیشہ دین ہی قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ. (۱)

’’بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔‘‘

وہ نظامِ حیات جو کمال درجہ جامعیت کی شان کے ساتھ بیک وقت دنیا اور آخرت کو محیط نہ ہو اسے مذہب یا فلسفہ اور نظریہ تو قرار دیا جا سکتا ہے، دین نہیں کہا جا سکتا جبکہ دین اسلام کل ہے جس میں معیشت، معاشرت،

---

(۱) آل عمران، ۳:۱۹

سیاست سب شامل ہیں۔ معروف معنوں میں مذہب بندے اور خدا کے اس تعلق کا نام ہے جسے انسان کے دنیوی معاملات سے کوئی سروکار نہیں، اسی لئے ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (۱)

’’آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطورِ) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔‘‘

سوال نمبر ٦ : اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین کون سا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ. (۲)

’’بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔‘‘

پس اسلام ایک دین ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے پسند فرمایا ہے جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) المائدة، ۵: ۳

(۲) آل عمران، ۳:۱۹

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ o [1]

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

سوال نمبر ۷: دین کے کتنے درجے ہیں؟

جواب: دین کے تین درجے ہیں:

۱۔ ایمان ۲۔ اسلام ۳۔ احسان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک روز ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص ہماری محفل میں آیا۔ اس کے کپڑے نہایت سفید، بال گہرے سیاہ تھے، اس پر سفر کے کچھ اثرات نمایاں نہ تھے اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا۔ بالآخر وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنے سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیے اور عرض کیا:

يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِیْ عَنِ الْإِسْلَامِ؟

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بتائیں اسلام کیا ہے؟''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) آل عمران، ۳:۸۵

اَلإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً.

''(اسلام یہ ہے کہ) تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ تُو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔''

اس جواب پر اس شخص نے عرض کیا:

صَدَقْتَ.

''آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔''

اس نے دوسرا سوال کرتے ہوئے عرض کیا:

أَخْبِرْنِی عَنِ الْاِيْمَانِ.

''(یا رسول اللہ!) مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟''

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ.

''(ایمان یہ ہے کہ) تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں،

اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور ہر خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر مانے۔‘‘

اِس پر اُس اجنبی شخص نے پھر آپ ﷺ کی تصدیق فرمائی اورعرض کیا:

أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ؟

’’(یا رسول اللہ ﷺ!) مجھے احسان کے بارے میں بتایئے؟‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

’’(احسان یہ ہے کہ) تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو (یہ مقام نہ پانے کے سبب) اسے نہیں دیکھ رہا تو (کم ازکم یہ یقین ہی پیدا کرلے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔‘‘

اب تیسری بار اس شخص نے آپ ﷺ کی تصدیق فرمائی۔ اس شخص کے جانے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اے عمر! جانتے ہو یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔(۱)

یہ حدیث مبارکہ دین کے لفظاً اور معناً وہ تین درجات بیان کرتی ہے،

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، ۱: ۳۷، ۳۸، رقم: ۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل، ۱: ۲۷، ۲۸، رقم: ۵۰

جن سے دین مکمل ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۸ : اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟

جواب: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بُنِیَ الإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (۱)

’’اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور (بیت اللہ کا) حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔‘‘

سوال نمبر ۹ : شہادتِ توحید سے کیا مراد ہے؟

جواب: شہادتِ توحید سے مراد ہے کہ بندہ دل و زبان سے یہ اقرار کرے کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ سب پر فائق ہے، وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ کسی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: بنی الإسلام علی خمس، ۱:۱۲، رقم: ۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان أرکان الإسلام و دعائمه العظام، ۱:۴۵، رقم: ۱۶

اور کے لئے اس سے بڑھ کر عظمت و رفعت اور شان کبریائی کا تصور بھی محال ہے۔ وہی قادرِ مطلق ہے اور کسی کو اس پر کوئی طاقت نہیں۔ اس کا ارادہ اتنا قوی اور غالب ہے کہ اسے کائنات میں سب مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتے۔ اس کی قوتیں اور تصرفات حدِ شمار سے باہر ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ط سُبۡحٰـنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ م لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝ (۱)

’’بے شک اللہ ہی یکتا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کیلئے کوئی اولاد ہو، (سب کچھ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے ۝‘‘

سوال نمبر ۱۰: شہادتِ توحید کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: شہادتِ توحید کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ نفی و اثبات پر ایمان رکھنا (اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کے معبود ہونے کی نفی کر دینا اور صرف اُسی کے معبود ہونے کا اقرار کرنا)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اقرار نبی آخر الزماں ﷺ کی وساطت سے کرنا۔

۳۔ صرف زبان سے اقرار ہی نہیں بلکہ دل سے سچا جاننا۔

۴۔ ظاہر و باطن کو کلماتِ توحید کا پابند بنا لینا۔

۵۔ شہادت کو اس طرح قبول کرنا کہ اس کے تمام تقاضے پورے ہو جائیں۔

---

(۱) النساء، ۴: ۱۷۱

۶۔ اس (شہادت) میں مخلص ہونا۔

۷۔ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کسی سے محبت اور عداوت رکھنا۔

سوال نمبر ۱۱: سورہ اخلاص کو سورۂ توحید کیوں کہتے ہیں؟

جواب: سورۂ اخلاص کو سورۂ توحید اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ایسا جامع تصور دیا گیا ہے جو قرآن حکیم میں کسی اور مقام پر نہیں۔ اس سورۃ میں توحید کے پانچ بنیادی ارکان بیان کیے گئے ہیں۔ اگر ان پانچ ارکان کو ملا لیا جائے تو عقیدہ توحید مکمل ہو جاتا ہے لیکن اگر ان میں سے ایک رکن کی بھی خلاف ورزی ہو جائے تو عقیدے میں شرک داخل ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْo وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌo (1)

”(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہےo اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہےo نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہےo اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہےo“

یہی عقیدۂ توحید ہے اور ان پانچ صفات میں سے کسی ایک صفت کو بھی اللہ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

---

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۱۔۴

سوال نمبر ۱۲: اسلام میں ذکرِ الٰہی کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ''اسلام میں ذکر الٰہی کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جو بندہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو خود اللہ رب العزت اسے یاد رکھتا ہے اور ملاء اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ٥ (۱)

''سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا کہ اے میرے بندو! میرا ذکر کرو، اگر تم میرا ذکر کروگے تو میں اس کے بدلے میں تمہارا ذکر کروں گا اور یہ ذکر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَ أَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَ إِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعاً، وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تُقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَ إِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۵۲

أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.(۱)

’’میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ رہتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اگر وہ مجھے کسی مجمع کے اندر یاد کرے تو میں اسے اس سے بہتر مجمع کے اندر یاد کرتا ہوں اور اگر وہ بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے قریب ہوجاتا ہوں، اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دونوں بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہوجاتا ہوں، اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔‘‘

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذاکر جب تنہا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا ذکر تنہا کرتا ہے اور جب وہ زمین پر مخلوق کا اجتماع منعقد کر کے خود بھی ذکر کرتا ہے اور بندوں سے بھی ذکر کرواتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی عرش پر ارواحِ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی محفل میں اس کے نام کا ذکر کرتا ہے۔ جس مجلس میں بندہ ذکر کرتا ہے وہ کمتر ہے کیونکہ زمین پر یہ اجتماع ہم جیسے گنہگاروں کا ہے جبکہ عرش پر منعقد ہونے والا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذّرکم اللہ نفسہٗ، ۶: ۲۶۹۴، رقم: ۶۹۷۰۔
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعا، باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ، ۴: ۲۰۶۱، رقم: ۲۶۷۵

مجمع ذکر ملائکہ کا ہوتا ہے اور وہ بلند تر ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے أبواب الدعوات میں ذکر کی فضیلت میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! اسلامی احکام مجھ پر غالب آ گئے ہیں آپ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں، جسے میں انہماک سے کرتا رہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانُکَ رَطَبًا مِنْ ذِکْرِ اللهِ.(۱)

''تیری زبان ذکرِ الٰہی سے ہمیشہ تر رہنی چاہئے۔''

سوال نمبر۱۳: شرک کسے کہتے ہیں؟

جواب: شرک توحید کی مخالفت اور ضد کا نام ہے۔ ایسی قوت، قدرت، ملکہ، صفت اور خاصہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی خاص ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک کہلاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خالق حقیقی جاننا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے علم و اختیار کو ذاتی سمجھنا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کے لائق سمجھنا یہ سب شرک ہے قرآن حکیم میں ہے:

وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَيْئًا.(۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی فصل الذکر، ۵: ۴۵۸، رقم: ۳۳۷۸

(۲) النساء، ۴: ۳۶

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔‘‘

سوال نمبر ۱۴: عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت کا باہمی ربط و تعلق کیا ہے؟

جواب: اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے پہلا اور بنیادی رکن شہادتِ توحید و رسالت ہے۔ جس کی رُو سے ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دے اور ساتھ ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا بھی اقرار کرے کیونکہ ذاتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان لائے بغیر مجرد توحید باری تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ لغو بے حقیقت اور محض خام خیالی ہے۔

ایمان و اتباع کے باب میں دونوں سے بیک وقت اور ایک ساتھ رشتہ قائم کرنا ہی اسلام کی اصل اور بنیاد ہے اس عقیدے کو دل و دماغ میں راسخ کرنا مبادیاتِ ایمان میں سے ہے۔ ان میں کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے۔ نبی آخر الزمان کی بعثت کے بعد اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان لانے سے قبل رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان لائیں کیونکہ محض توحید پر ایمان لانا ایمان کی ضمانت فراہم نہیں کرتا، جیسے یہودی توحید پرست تو ہیں لیکن رسالتِ محمدی ﷺ کے منکر ہیں اس لئے کافر کہلاتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۵: شہادتِ رسالت سے کیا مراد ہے؟

جواب: شہادتِ رسالت سے مراد یہ ہے کہ زبان سے اس بات کا اقرار اور دل سے تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف انبیاء و رُسل بھیجے جو تمام برحق تھے اور ان کی نبوت و

رسالت مخصوص زمانوں اور افراد کے لئے تھی، جبکہ سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام جن و انس کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت ابد تک ہمیشہ کے لئے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًاo وَّدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًاo[1]

''اے نبی (مکرّم!) بیشک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)o''

شہادتِ رسالت کے ساتھ درج ذیل امور کی تصدیق کرنا لازمی اور واجب ہے:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو غیبی واقعات کے بارے میں دی گئی ان تمام خبروں کی تصدیق کرنا جو گزر چکے ہیں یا آئندہ پیش آنے والے ہیں۔

۲۔ ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جنہیں آپ ﷺ نے حلال و حرام قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج.[2]

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۴۵، ۴۶

(۲) الحشر، ۵۹:۷

''اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو۔''

۳۔ جن چیزوں کا حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا انہیں بجا لانا اور جن امور سے منع فرمایا ان سے رک جانا، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی خوشی اور دل جمعی سے اِتباع کرنا اور ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کی سنت کو اپنے اوپر واجب کرنا۔ کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَطَاعَنِیْ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصٰی اللهَ. (۱)

''جس نے میری اطاعت کی سو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی سو اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

انبیاء و رُسل کا مقصدِ بعثت ہی یہ ہے کہ ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل اور ان کی اطاعت کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ ط. (۲)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: **أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول و أُولی الأمر منکم**، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۸

(۲) النساء، ۴: ۶۴

مذکورہ آیات و احادیث واضح کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت فرض ہے، اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے اور آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتا ہے لیکن آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلتا، شرعی احکام کی پیروی نہیں کرتا تو وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا نہیں، کیونکہ ایمان بالرسالت اتباع و اطاعتِ رسول کا تقاضا کرتا ہے۔

سوال نمبر ۱۶: شہادتِ رسالت کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: شہادتِ رسالت کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا اس طرح کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اقرار نبی آخرالزماں ﷺ کی وساطت سے کرنا۔

۳۔ صرف زبان سے اقرار ہی نہیں بلکہ دل سے سچا جاننا۔

۴۔ ظاہر و باطن کو کلماتِ توحید کا پابند بنا لینا۔

۵۔ اس شہادت کو اس طرح قبول کرنا کہ اس کے تمام تقاضے پورے ہوں۔

۶۔ اس (شہادت) میں مخلص ہونا۔

۷۔ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کسی سے محبت اور عداوت رکھنا۔

سوال ۱۷: ختم نبوت سے کیا مُراد ہے؟

جواب: ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس جہاں میں بھیج کر بعثت انبیاء کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے۔ اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر قرآن حکیم کی سو سے بھی زیادہ آیات میں نہایت ہی جامع انداز میں صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا o (۱)

’’محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے o‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبین کہہ کر یہ اعلان فرما دیا کہ آپ ﷺ ہی آخری نبی ہیں اور اب قیامت تک کسی کو نہ منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا اور نہ ہی منصب رسالت پر۔

قرآن حکیم میں سو سے زیادہ آیات ایسی ہیں جو اشارۃً یا کنایتاً عقیدہ ختم نبوت کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی متعدد

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۴۰

اور متواتر احادیث میں خاتم النبیین کا یہی معنی متعین فرمایا ہے۔ لہٰذا اب قیامت تک کسی قوم، ملک یا زمانہ کے لئے آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی یا رسول کی کوئی ضرورت باقی نہیں اور مشیت الٰہی نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے۔

آپ ﷺ سلسلۂ نبوت اور رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے اپنی ختمِ نبوت کا واضح لفظوں میں اعلان فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ.(۱)

’’اب نبوت اور رسالت کا انقطاع عمل میں آ چکا ہے لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔‘‘

اس حدیث پاک سے ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

سوال نمبر ۱۸: حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: آپ ﷺ کے بعد جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ملعون اور

---

(۱) ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب الرويا، ۴: ۱۶۳، باب: ذهبت النبوة، رقم: ۲۲۷۲

ابلیس کے ناپاک عزائم کا ترجمان ہو گا۔ آپ ﷺ نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی نہ صرف نشاندہی کر دی بلکہ ان کی تعداد بھی بیان فرما دی تھی۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَ أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ.[1]

''میری امت میں تیس (۳۰) اشخاص کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کذاب کو گمان ہوگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

اگر کوئی شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے خواہ کسی معنی میں ہو۔ وہ کافر، کاذب، مرتد اور خارج اَز اسلام ہے۔ نیز جو شخص اس کے کفر و ارتداد میں شک کرے یا اسے مومن، مجتہد یا مجدد وغیرہ مانے وہ بھی کافر و مرتد اور جہنمی ہے۔

سوال نمبر ۱۹: درود و سلام کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ایک مقبول ترین عمل ہے۔ یہ سنت الٰہیہ ہے اس نسبت سے یہ جہاں شانِ مصطفوی ﷺ کے بے مثل ہونے کی دلیل ہے وہاں اس عملِ خاص کی فضیلت بھی حسین پیرائے میں اجاگر ہوتی

---

(۱) ترمذي، السنن، كتاب الفتن، باب: ماجاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون، ۴: ۴۹۹، رقم: ۲۲۱۹۔

ہے کہ یہ وہ مقدس عملِ ہے جو ہمیشہ کے لئے لازوال، لافانی اور تغیر کے اثرات سے محفوظ ہے کیونکہ نہ خدا کی ذات کیلئے فنا ہے نہ آپ ﷺ پر درود و سلام کی انتہا۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف خود اپنے حبیب مکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے بلکہ اس نے فرشتوں اور اہل ایمان کو بھی پابند فرمادیا ہے کہ سب میرے محبوب پر درود و سلام بھیجیں۔

اس لیے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo (۱)

’’بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِٔ (مکرمّ ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کروo‘‘

اسی طرح درود و سلام کے فضائل اور دینی و دنیوی مقاصد کے حصول میں اس کی برکات مستند روایات سے ثابت ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا آیا اور عرض کیا یا رسول ﷺ جو آپ ﷺ کا امتی مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس امتی پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے۔ (۲)

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۵۶

(۲) نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۱، رقم: ۹۸۹۲

ایک اور مقام پر ارشاد نبوی ﷺ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں۔ میں کس قدر درود شریف پڑھا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا ''نصف'' آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو البتہ زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا دو تہائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا۔ میں سارے کا سارا وظیفہ آپ کے لئے کیوں نہ کرو آپ ﷺ نے فرمایا: اب تیرے غموں کی کفایت ہوگی اور گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''(۱)

درود و سلام ایک ایسا محبوب و مقبول عمل ہے جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، شفا حاصل ہوتی ہے اور دل و جان کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے پڑھنے والے کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اسے حضور نبی اکرم ﷺ بنفس ونفیس سلام کے جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ صلوٰۃ و سلام کسی صورت میں اور کسی مرحلہ پر بھی قابلِ رد نہیں بلکہ یہ ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتا ہے اگر نیک پڑھیں تو درجے بلند ہوتے ہیں اور اگر فاسق و فاجر پڑھے تو نہ صرف یہ کہ اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ اس کا پڑھا ہوا درود و سلام بھی قبول ہوتا ہے۔

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الزهد، باب ماجاء فی صفة أوانی الحوض، ۴: ۲۴۵، رقم: ۲۴۵۷

سوال نمبر ۲۰ : کیا اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی ہے؟

جواب: جی ہاں! اسلام میں داخل ہونے کی نیت کے ساتھ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے۔ مگر زندگی کو مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل کرنے کیلئے صرف زبان سے اقرار کافی نہیں، اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً.(۱)

’’اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔‘‘

یعنی محض دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے کلمۂ طیبہ کا اقرار شرط ہے اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کی جو حدود متعین کر دی ہیں، ان کے اندر رہتے ہوئے پوری زندگی میں ایمان و اسلام کا ایسا مظاہرہ کیا جائے کہ کوئی لمحہ ایسا نہ گزرے جس پر کفر اور منافقت کی چھاپ ہو۔

سوال نمبر ۲۱ : کیا کلمہ طیبہ پڑھ لینا ہی نجات کے لئے کافی ہے؟

جواب: کلمہ طیبہ پڑھنے سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے ایمان کی دولت میسر آ جاتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ مبارکہ میں ہے: آپ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے۔ میں دوبارہ حاضر ہوا

---

(۱) البقرہ، ۲ : ۲۰۸

اس وقت بھی آپ ﷺ سو رہے تھے۔ پس میں تیسری بار حاضر ہوا تو آپ ﷺ بیدار ہو چکے تھے، میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جوشخص لا إلٰه الا الله کہے، اسی اعتقاد پر اس کا خاتمہ ہو جائے تو وہ جنت میں جائے گا۔ (۱)

لیکن اس حدیث میں کلمہ طیبہ پڑھنے سے مراد احوال و اعمال کی اصلاح کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد احوال و اعمال کی اصلاح کو نظرانداز کرنا اللہ کی گرفت کا باعث بنتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ لا وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ (۲)

''جو کوئی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور نہ وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی پائے گا اور نہ مددگار ○''

اگر کسی کلمہ گوشخص نے اپنے گناہوں پر توبہ کی اور اس کی توبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی تو وہ کلمہ گوشخص جنت میں جائے گا۔ یا اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب من مات لا یشرک باللّٰہ شیئًا دخل الجنة و من مات مشرکا دخل النار، ۱: ۹۵، رقم: ۹۴
(۲) النساء، ۴: ۱۲۳

پھر وہ کلمہ گو اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا۔

سوال نمبر۲۲ : فقہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: فقہ کا لغوی معنی ہے: ’’کسی شے کا جاننا اور اُس کی معرفت وفہم حاصل کرنا۔‘‘[۱]

قرآن حکیم میں درج ذیل مواقع پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:

۱. **قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ.**[۲]

’’وہ بولے: اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں‘‘

۲. **قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا۝**[۳]

’’آپ فرما دیں (حقیقۃً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے۔ پس اس قوم کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے۝‘‘

۳. **فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ۝**[۴]

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۳: ۵۲۲

(۲) ہود، ۱۱: ۹۱

(۳) النساء، ۴: ۷۸

(۴) المنافقون، ۶۳: ۳

’’تو اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی سو وہ (کچھ) نہیں سمجھتے o‘‘

حدیثِ نبوی ﷺ میں بھی فقہ کا لفظ سمجھ بوجھ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. (۱)

’’اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔‘‘

اسی لئے شرعی اصطلاح میں فقہ کا لفظ علمِ دین کا فہم حاصل کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ (۲)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الفقه: معرفة النفس، مَالَهَا وما عليها. (۳)

’’فقہ نفس کے حقوق اور فرائض و واجبات جاننے کا نام ہے۔‘‘

بالعموم فقہاء کرام فقہ کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

العلم بالأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفضيلية.

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب النهی عن المسألة، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۷

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۳: ۵۲۲

(۳) الزرکشی، المنثور، ۱: ۶۸

”(فقہ) شریعت کے وہ فروعی احکام جاننے کا نام ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں۔“

مندرجہ بالا تعریفات واضح کرتی ہیں کہ فقۂ اسلامی سے مراد ایسا علم و فہم ہے جس کے ذریعے قرآن و حدیث کے معانی و اشارات کا علم ہو جائے اور احکامات کی مخصوص دلائل کے ذریعے معرفت حاصل ہو جیسے نماز کی فرضیت کا علم اَقِیْمُو الصَّلٰوۃ کے ذریعے حاصل ہوا، زکٰوۃ کی فرضیت کا علم اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کے ذریعے حاصل ہوا۔

سوال نمبر ۲۳ : اسلامی فقہ کے بنیادی ماخذ کون سے ہیں اور ان کی ترتیب کیا ہے؟

جواب: ماخذ کا معنی حاصل کرنے اور پانے کی جگہ یا ذریعہ ہے۔ اسلامی فقہ کے چار بنیادی ذرائع ہیں جہاں سے کوئی فقیہ یا مجتہد مسائل شرعیہ کو اخذ کرتا ہے ان کی ترتیب درج ذیل ہے:

۱۔قرآن حکیم ۲۔سنت ۳۔اجماع ۴۔قیاس

۱۔قرآن حکیم: فقہ اسلامی کا سب سے پہلا ماخذ اور دلیل قرآن حکیم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری الہامی کتاب ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنا دنیا اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک مکمل اور جامع کتابِ ہدایت ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لئے رہنمائی عطا کی گئی ہے۔ ایک مجتہد یا فَقِیہہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام

مسائل کو قرآن حکیم کے بیان کردہ بنیادی اصولوں کے ذریعے حل کرے۔

۲۔ سنت: قرآنِ حکیم کے بعد فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ سنت ہے۔ اس کا اطلاق حضور نبی اکرم ﷺ کے قول (جو آپ ﷺ نے فرمایا)، فعل (جو آپ ﷺ نے کیا) اور ہر اس کام پر ہوتا ہے جس کی آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی۔ اس لحاظ سے سنت کی تین اقسام بنتی ہیں:

۱۔ سنت قولی
۲۔ سنت فعلی
۳۔ سنت تقریری

۳۔ اجماع: قرآن و سنت کے بعد فقہ اسلامی کا تیسرا بنیادی ماخذ ''اِجماع'' ہے۔ اجماع کا لغوی معنی ہے: پکا ارادہ اور اتفاق۔ (۱)

اصطلاحی طور پر اس کا معنی ہے: کسی زمانے میں اُمت محمدیہ کے مجتہدین کی رائے کا کسی شرعی مسئلے پر متفق ہو جانا۔ (۲)

اجماع قرآن و سنت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر نہیں بلکہ ان سے رہنمائی لے کر کیا جاتا ہے اور جب اجماع کو قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ مضبوط کر دیا جائے تو یہ قطعی حکم بن جاتا ہے جس پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

۴۔ قیاس: قیاس کا لغوی معنی ہے: اندازہ کرنا، کسی شے کو اس کی مثل کی طرف لوٹانا۔ جب کسی ایک شے کے اچھے اور برے دونوں پہلو سامنے رکھ کر ان کا

---

(۱) أبو حبيب، القاموس الفقهی: ٦٦

(۲) ابن عابدین شامی، رد المختار علی الدر المختار، ٦: ٧٦٢

موازنہ کتاب وسنت میں موجود کسی امر شرعی کے ساتھ کیا جائے اور پھر کسی نتیجہ پر پہنچا جائے تو یہ عمل قیاس کہلاتا ہے گویا کسی علت یا سبب کو بنیاد بنا کر کسی سابقہ حکم کی روشنی میں نئے مسائل کا حل نکالنا قیاس ہے۔ جیسے شراب کا حکم قرآن وسنت میں موجود ہے کہ یہ حرام ہے اور اسکی حلت نشہ آور ہونا ہے۔ اب ہیروئن اور دیگر نشہ آور اشیاء کو علت مشترکہ کی بنیاد پر شراب کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔

سوال نمبر۲۴: اجتہاد سے کیا مراد ہے؟

جواب: اجتہاد کے لغوی معنی ہیں: کسی کام کی انجام دہی میں تکلیف و مشقت اٹھاتے ہوئے اپنی پوری کوشش صرف کرنا۔ [1]

تو گویا اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو کسی کام کی تکمیل میں مشقت برداشت کرتے ہوئے کی جائے اگر بغیر دقت اور تکلیف کے کوشش ہو گی تو اسے اجتہاد نہیں کہیں گے مثلاً عرب یوں تو کہتے ہیں: فلاں نے بھاری پتھر اٹھانے کی کوشش کی لیکن یہ نہیں کہتے کہ ''**إجتهد فلان فی حمل خردلة**'' فلاں نے رائی کا دانہ اٹھانے کی کوشش کی۔

اصطلاحِ شریعت میں ''قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں مقررہ شرائط کے مطابق بطریقِ استنباط و استخراج، شرعی احکام اور قوانین کی تشکیل، تجدید، تفصیل، توسیع اور تنفیذ کے لئے ماہرانہ علمی کاوش کا نام اجتہاد ہے۔''

سوال نمبر ۲۵: اسلامی قانون سازی کے عمل میں اجتہاد کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: اسلامی قانون سازی کے عمل میں اجتہاد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے،

---

(۱) أبوحبیب، القاموس الفقهی: ۷۱

خود حضور نبی اکرم ﷺ نے اجتہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

أقْضِ بالكتابِ و السُنَّةِ، إذا وجدتَهما، فَإِذَا لم تجد الحكم فيهما، اجتهد رأيكً. (۱)

''جب تم قرآن و سنت میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو، لیکن اگر تم ان میں حکم نہ پا سکو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔''

اسی طرح جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تو ان سے پوچھا: اے معاذ! تم مسائل و مقدمات میں کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پا سکے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں سنت رسول سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کتاب و سنت دونوں میں حل نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا:

أَجْتَهِدُ بِرَأْيِى وَلَا آلُوْ

''میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور حقیقت تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔''

یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا سینہ تھپکا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يُرْضِی

---

(۱) آمدی، الاحکام، ۴: ۴۳

رَسُوْلَ اللهِ.[1]

''اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے بھیجے ہوئے نمائندہ کو اس بات کی توفیق بخشی جو اللہ کے رسول کو خوش کرے۔''

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مسائل و معاملات میں اجتہاد پسند فرمایا اور اس کا حکم دیا۔ اسی لئے اجتہاد فقہ اسلامی کا ناگزیر حصہ شمار ہوتا ہے اور ائمہ و فقہاء نے نئے پیش آنے والے مسائل اور ضروریات دین کو اجتہاد ہی کے ذریعے پورا کیا۔

سوال نمبر ۲۶: کیا مجتہد کے لئے مخصوص اوصاف و شرائط کا ہونا ضروری ہے یا اسلام میں ہر شخص کو اجتہاد کرنے کی اجازت ہے؟

جواب: اسلام ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اگر ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت مل جائے اور وہ اپنے مزاج و منشاء کے مطابق شرعی احکام کے بارے میں فتویٰ صادر کرنے لگے تو شریعت بچوں کا کھیل بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے ائمہ و فقہاء نے اجتہاد کی شرائط مقرر کی ہیں اور مجتہد کے لئے مخصوص صلاحیتوں کا حامل ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ امام شاطبی نے مجتہد کی بڑی جامع اور مختصر تعریف بیان کی ہے:

''اجتہاد کا درجہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ان دو اوصاف کا حامل ہو پہلا یہ کہ وہ شریعت کے مقاصد کو مکمل طور پر سمجھتا ہو، دوسرا یہ کہ وہ

---

(۱) أبوداؤد، السنن، کتاب الأقضية، باب إجتهاد الرأی فی القضاء ۳: ۲۹۵، رقم: ۳۵۹۲

ماخذ شریعت سے احکام استنباط کرنے کی مکمل استطاعت رکھتا ہو۔‘‘

نیز ایک مجتہد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معاشرے کے رسوم و رواج (عرف) کو، حالاتِ زمانہ کو اور ضروریات معاشرہ وغیرہ کو بھی جانتا ہو۔

مذکورہ تعریف کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کی نصوص کا عالم ہو، ان مسائل سے واقف ہو جن پر اجماع ہو چکا ہے، عربی لغت کا ماہر ہو، صرف ونحو اور بیان و معانی پر قدرت رکھتا ہو اور آیات و احادیث کے ناسخ و منسوخ سے آ گاہ ہو لہٰذا جب ان تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے اجتہاد کیا جائے گا تو بارگاہِ الٰہی سے تائید ونصرت اور اجر ملے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اجتہاد کرنے والے کے متعلق فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدُ ثُمَّ أَخْطَاءَ فَلَهُ أَجْرٌ. (۱)

’’جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ دینے میں صحیح اجتہاد کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں، اور اگر اس نے اجتہاد میں غلطی کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنه، باب أجر الحاکم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ۶:۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیة، باب بیان اجر الحاکم إذا اجتهد، فأصاب أو أخطا ۳: ۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶

سوال نمبر ۲۷: مذاہب اربعہ اور ائمہ اربعہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: چار مذاہب جو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے نام سے موسوم ہیں مذاہب اربعہ کہلاتے ہیں۔ حنفی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ کے نام سے موسوم ہے، شافعی مذہب کے بانی امام شافعی ہیں، مالکی مذہب کے بانی امام مالک اور حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبل ہیں، ان مذاہب کے امام ائمہ اربعہ کہلاتے ہیں۔

سوال نمبر ۲۸ : امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ اور مختصر تعارف کیا ہے؟

جواب: جیسا کہ آپ کے لقب سے ظاہر ہے کہ آپ تمام ائمہ کے مقابلے میں سب سے بڑے مقام و مرتبے پر فائز ہیں۔ اسلامی فقہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا پایہ بہت بلند ہے۔ آپ کا اصل نام نعمان بن ثابت بن زوطا رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ ۸۰ ہجری بمطابق ۶۹۹ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔(۱)

آپ نے فقہ کی تعلیم اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کا سب سے پہلا طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں آپ اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ آپ تابعی ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ آپ کے علاوہ امام مالک سمیت ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ میں کوئی امام بھی تابعی نہیں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی براہِ راست زیارت کی اور ان سے احادیث نبوی کا سماع کیا۔

امام اعظم نے علم حدیث کے حصول کے لئے تین مقامات کا بطورِ

---

(۱) عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۰: ۴۴۹

خاص سفر کیا۔ آپ نے علم حدیث سب سے پہلے کوفہ میں حاصل کیا کیونکہ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے اور کوفہ علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا۔ گویا آپ علم حدیث کے گھر میں پیدا ہوئے، وہیں پڑھا، کوفہ کے سب سے بڑے علم کے وارث امام اعظم خود بنے۔

دوسرا مقام حرمین شریفین کا تھا۔ جہاں سے آپ نے احادیث اخذ کیں اور تیسرا مقام بصرہ تھا۔ امام ابو حنیفہ نے تقریباً ۴ ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

ایک دفعہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے مابین جھگڑا پیدا ہوگیا۔ ہر گروہ اپنے امام کی فضیلت کا دعویدار تھا۔ حضرت امام ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے درمیان فیصلہ کیا اور اصحاب شافعی سے فرمایا: پہلے تم اپنے امام کے اساتذہ گنو جب گنے گئے تو ۸۰ تھے۔ پھر انہوں نے احناف سے فرمایا: اب تم اپنے امام کے اساتذہ گنو جب انہوں نے شمار کیے تو معلوم ہوا وہ چار ہزار تھے۔ اس طرح اساتذہ کے عدد نے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا۔ آپ فقہ اور حدیث دونوں میدانوں میں امام الائمہ تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہزار کے قریب شاگرد تھے جن میں چالیس افراد بہت ہی جلیل المرتبت تھے اور وہ درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ وہ آپ کے مشیرِ خاص بھی تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ۶۔ امام وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ امام داؤد بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

الفقه الأكبر، الفقه الأبسط، العالم والمتعلم، رسالة الإمام أبي حنيفة إلى عثمان البتّي، وصية الامام أبي حنيفة.

علاوہ ازیں قرآن حکیم کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح البخاری کے مؤلف امام محمد بن اسماعیل بخاری اور دیگر بڑے بڑے محدثین کرام رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔

آپ نہایت ذہین اور قوی حافظہ کے مالک تھے۔ آپ کا زہد وتقویٰ فہم و فراست اور حکمت و دانائی بہت مشہور تھی۔ آپ نے اپنی عمر مبارک میں ۷ ہزار مرتبہ ختم قرآن کیا۔ ۴۵ سال تک ایک وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں، رات کے دو نفلوں میں پورا قرآن حکیم ختم کرنے والے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دن کو علم پھیلاتے اور رات کو عبادت کرتے، ان کی حیات مبارکہ کے لاتعداد گوشے ہیں۔ ائمہ حدیث آپ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک طرف آپ علم کے سمندر ہیں اور دوسری طرف زہد وتقویٰ اور طہارت کے پہاڑ ہیں۔ امام اعظم اپنا طریق اجتہاد و استنباط یوں بیان کرتے ہیں:

''میں سب سے پہلے کسی مسئلے کا حکم کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہوں، پھر اگر وہاں وہ مسئلہ نہ پاؤں تو سنتِ رسول ﷺ سے لے لیتا ہوں،

جب وہاں بھی نہ پاؤں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں سے کسی کا قول مان لیتا ہوں اور ان کا قول چھوڑ کر دوسروں کا قول نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیم شعبی، ابن سیرین اور عطاء پر آجائے تو یہ لوگ بھی مجتہد تھے اور اس وقت میں بھی ان لوگوں کی طرح اجتہاد کرتا ہوں۔''(۱)

آپ کے اجتہادی مسائل تقریباً بارہ سو سال سے تمام اسلامی ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے بڑی بڑی عظیم اسلامی سلطنتوں میں آپ ہی کے مسائل، قانون سلطنت تھے اور آج بھی اسلامی دنیا کا بیشتر حصہ آپ ہی کے مذہب کا پیرو کار ہے۔

بغداد شریف میں ۱۵۰ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ پہلی بار نمازِ جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا، اس پر بھی آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا یہاں تک کہ چھ بار نمازِ جنازہ پڑھائی گئی۔

سوال نمبر ۲۹ : امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف کیا ہے؟

جواب: امام شافعی کے فقہی مسلک کو مذہب شافعی کہتے ہیں۔ آپ کا نام محمد بن ادریس الشافعی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا سال وفات اور امام شافعیؒ کا سال ولادت ایک ہے یعنی آپ ۱۵۰ھ میں فلسطین کے ایک گاؤں غزہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زمانہ بڑی تنگدستی میں گزرا، آپ کو علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ ۷ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، ۱۵ برس کی عمر میں فتویٰ دینے

---

(۱) عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۰: ۴۵۱

کی اجازت مل گئی تھی۔ آپ حضرت امام اعظمؒ کے مزار مبارک پر مسائل حل کرنے کے لئے اور برکت حاصل کرنے کے لئے حاضری دیا کرتے تھے۔ آپ امام مالک کی شاگردی میں رہے اور ان کی وفات تک ان سے علم حاصل کیا۔ آپ نے اصولِ فقہ پر سب سے پہلی کتاب ''الرسالہ'' لکھی ''الام'' آپ کی دوسری اہم کتاب ہے۔ آپ نے مختلف مکاتیب کے افکار و مسائل کو اچھی طرح سمجھا اور پرکھا پھر ان میں سے جو چیز قرآن و سنت کے مطابق پائی اسے قبول کر لیا۔ جس مسئلے میں اختلاف ہوتا تھا اس پر قرآن و سنت کی روشنی میں مدلل بحث کرتے۔ آپ صحیح احادیث کے مل جانے سے قیاس و اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے۔ آج بھی مصر، لبنان، شام اور فلسطین میں شافعی مسلک کے پیروکار موجود ہیں۔ آپ کے مقلد شافعی کہلاتے ہیں۔ آپ نے ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

سوال نمبر ۳۰ : امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف بیان کریں؟

جواب: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک کو حنبلی مذہب کہتے ہیں۔ آپ کا نام احمد اور لقب ''امامِ بغداد'' ہے۔ آپ بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ عربی النسل تھے۔ اپنے آبائی شہر میں لغت، فقہ اور حدیث کا ابتدائی علم حاصل کیا۔ بعد ازاں خود کو علم حدیث کے لئے وقف کر دیا۔ حصولِ علم کے لئے آپ نے عراق، حجاز، یمن اور شام کا سفر کیا اور پانچ حج کیے۔ (۱)

آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ فقیہہ سے زیادہ محدث

---

(۱) عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱:۷۳

تھے۔ مسند احمد آپ کا سب سے مشہور مجموعہ احادیث ہے۔ فقہ حنبلی میں احادیثِ نبوی اور آثار و اقوالِ صحابہ کا بہت گہرا اثر ہے۔ آپ کے مقلد حنبلی کہلاتے ہیں۔ آپ نے بغداد شریف ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

سوال نمبر ۳۱: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف بیان کریں؟

جواب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک کو مالکی مذہب کہتے ہیں۔ آپ کا نام مالک بن انس ہے۔ آپ امامِ مدینہ، امام اہلِ حجاز اور امام دار الہجرت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار مجتہدین، فقہاء اور عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔

آپ نے حدیث و فقہ کا علم پہلے ربیعہ رائی، پھر ابن ہرمز سے حاصل کیا۔ ان کے اساتذہ میں امام ابن شہاب زہری اور دیگر ستر اساتذہ شامل ہیں۔ امام مالکؒ نے سترہ برس کی عمر میں مدینے میں درس و تدریس کی مسند سنبھالی۔ آپ حدیث کا درس بڑے ادب و احترام سے دیا کرتے تھے، غسل کرتے، صاف ستھرا لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور پھر درس کی مسند پر تشریف فرما ہوتے۔ امام مالک بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ آپ کے طرزِ فکر میں حدیث اور فقہ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔[1]

امام نسائی آپ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک تبع تابعین کی جماعت میں امام مالک سے زیادہ عظیم اور کوئی شخص نہیں اور نہ ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص حدیث میں

(۱) محمد ابوزہرہ، مالک، ۳۳: ۳۴

مامون ومعتبر تھا۔‘‘(۱)

امام مالکؒ کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ’’الموطا‘‘ ہے جو علم حدیث پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔ امام شافعیؒ، عبد اللہ بن سلمی، عبد اللہ بن رب آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام مالک کی وفات مدینہ طیبہ میں سن ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ کے مقلد مالکی کہلاتے ہیں۔(۲)

سوال نمبر۳۲ : مقلد اور غیر مقلد میں کیا فرق ہے؟

جواب: جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل سنت وجماعت کے چار ائمہ ہیں۔

۱۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ)

۲۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ)

۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۴ھ)

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۱ھ)

ان ائمہ کرام نے اپنی خداداد علمی فکری صلاحیتوں اور مجتہدانہ بصیرت کی بناء پر اپنے اپنے دور میں حسبِ ضرورت قرآن و حدیث سے مسائل فقہیہ مرتب کیے یوں ان ائمہ کے زیر اثر چار فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے۔

چنانچہ ان چاروں ائمہ کرام میں سے کسی بھی فقہی مکتب فکر کی پیروی کرنے والے کو مقلد کہتے ہیں۔ جیسے امام اعظم کے مقلدین کو حنفی، امام مالک

---

(۱) عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۰: ۹

(۲) عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۰: ۸

کے مقلدین کو مالکی اور امام شافعی کے مقلدین کو شوافع اور امام احمد بن حنبل کے مقلدین کو حنبلی کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کا پیروکار نہ ہو تو وہ غیر مقلد ہے۔

سوال نمبر۳۳: تقلیدِ شخصی سے کیا مراد ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے طریقہ پر احکامِ شرعیہ بجا لانا تقلیدِ شخصی کہلاتا ہے، مثلاً امامِ اعظم ابو حنیفہؒ یا امامِ مالکؒ یا امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ میں سے کسی کے طریقے پر عمل کرنا۔

تقلید شخصی کی شرعی حیثیت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

أَنَّ الاُمَّةَ قَدْ اجْتَمَعَتْ عَلَى اَنْ يَعْتَمِدُوْا عَلَى السَلَفِ فِيْ مَعْرِفَةِ الشَرِيْعَةِ، فَالتَّابِعُوْنَ اعْتَمَدُوْا فِيْ ذَلِكَ عَلَى الصَحَابَةِ، وَ تَبْعُ التَابِعِيْنَ اعْتَمَدُوْا عَلَى التَّابِعِيْنَ، وَ هَكَذَا فِيْ كُلِّ طَبَقَةٍ إِعْتَمَدَ العُلَمَاءُ عَلَى مِنْ قَبْلِهِمْ.[۱]

''امت نے اجماع کر لیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کیا جائے۔ تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلے آنے والوں پر اعتماد کیا۔''

اسی طرح تقلید شخصی کو لازم کرنے کی ایک واضح نظیر حضرت عثمان

---

(۱) شاہ ولی اللہ، عقد الجید، ۱: ۳۱

غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمعِ قرآن کا واقعہ ہے، جب انہوں نے قرآنِ حکیم کا ایک رسم الخط متعین کر دیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پہلے قرآنِ حکیم کو کسی بھی رسم الخط کے مطابق لکھا جا سکتا تھا کیونکہ مختلف نسخوں میں سورتوں کی ترتیب بھی مختلف تھی اور اس ترتیب کے مطابق قرآنِ حکیم لکھنا جائز تھا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے امت کی اجتماعی مصلحت کے پیشِ نظر اس اجازت کو ختم فرما کر قرآن کریم کے ایک رسم الخط اور ایک ترتیب کو متعین کر کے امت کو اس پر متفق و متحد کر دیا اور امت میں اسی کی اتباع پر اجماع ہو گیا۔(۱)

سوال نمبر ۳۴: تقلید کے فوائد و ثمرات کیا ہیں؟

جواب: چونکہ عام مسلمان قرآن و حدیث سے احکامِ شرع کے قواعد و ضوابط کو سمجھ کر مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے جمہور اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شرعی احکام و مسائل میں مذکورہ ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔

مثلاً حدیث پاک ہے: **من ترک الصلوا لا متعمداً فقد کفر**.(۲) اگر ظاہر حدیث کو دیکھیں تو ترجمہ بھی آسان ہے لیکن اس کی حقیقی روح کو سمجھنا مجتہد کا کام ہے۔ اس لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: ''اسکا مطلب ہے: **من ترک الصلوۃ متعمداً معتقداً** کہ کسی نے اعتقادی طور پر نماز ترک کر دی تو کافر ہو جاتا ہے۔ اب مسئلہ واضح ہو گیا اور اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ ورنہ اگر صرف ترک نماز پر کفر وارد ہو تو پھر کتنے فی صد مسلمان بچیں گے۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۴: ۱۹۰۸، رقم: ۴۷۰۲

(۲) طبرانی، المعجم الاوسط، ۳: ۳۴۳، رقم: ۳۳۴۸

تقلید کا فائدہ یہ ہے کہ عام مسلمان تفرقہ و انتشار سے بچ جاتا ہے۔
جن ائمہ نے ان مسالک کی بنیاد ڈالی وہ اپنے تقویٰ، زہد و ورع، ثقاہت و دیانت، علم وفکر اور کردار کے حوالے سے اعلیٰ ترین مقام و مرتبہ کی حامل قرون اولیٰ کی معروف ہستیاں ہیں۔ لہٰذا وقت کی سہولت کی خاطر انہوں نے نہایت جانفشانی اور دیانت و لیاقت سے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کیا۔ شریعت اسلامی کے ایسے اصول وقواعد وضع کئے جس سے عام مسلمانوں کو دین فہمی اور اس پر عمل پیرا ہونے میں فائدہ ہوا۔

سوال نمبر ۳۵: اَحکامِ شریعت کیا ہیں؟

جواب: اسلام کے وہ احکام جو مسلمانوں کے افعال و اعمال سے متعلق ہیں، احکامِ شرعیہ کہلاتے ہیں جیسے فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔

سوال نمبر ۳۶: فرض کسے کہتے ہیں؟

جواب: فرض وہ حکمِ شرعی ہے جو دلیل قطعی (قرآنی حکم اور حدیث متواتر) سے ثابت ہو یعنی ایسی دلیل جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ یہ وہ بنیادی ارکان ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے اور ادا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان کو بغیر عُذر ترک کرنے والا فاسق اور سزا کا حقدار ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۳۷: واجب کسے کہتے ہیں؟

جواب: واجب وہ حکم شرعی ہے جو دلیلِ ظنی سے ثابت ہو، اور جسے ادا کرنے کا

شرع نے لازمی مطالبہ کیا ہو اس کے بجا لانے پر ثواب اور چھوڑنے پر سزا ملتی ہے البتہ فرض کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور واجب کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔

سوال نمبر ۳۸ : سنت کسے کہتے ہیں؟

جواب: سنت حضور نبی اکرم ﷺ کا ایسا طریقۂ جاریہ ہے جو آپ ﷺ کے قول یا فعل سے ثابت ہو جیسے وضو میں بِسم اللہ پڑھنا اور تمام اعضاء کو تین مرتبہ دھونا، اس کے کرنے پر اجر اور نہ کرنے پر ملامت ہے۔

سوال نمبر ۳۹ : سنت کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: سنت کی دو اقسام ہیں:

(۱) سنتِ مؤکدہ (۲) سنتِ غیر مؤکدہ

سوال نمبر ۴۰ : سنتِ مؤکدہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: سنتِ مؤکدہ وہ عمل ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک دو مرتبہ کے علاوہ ہمیشہ بطورِ عبادت اپنایا ہو اور اس کی اقامت، تکمیلِ دین کی خاطر ہو جیسے اذان، اقامت، نماز باجماعت وغیرہ سنتِ مؤکدہ ہیں۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن کو ادا کرنے کی حضور نبی اکرم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے۔ اس کے ادا کرنے پر اجر ملتا ہے اور بغیر عذر چھوڑ دینے کی عادت قابلِ ملامت و مذمت ہے۔

سوال نمبر ۴۱ : سنتِ غیر مؤکدہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: سنتِ غیر مؤکدہ سے مراد ایسے امور ہیں جن کی حضور نبی اکرم ﷺ

نے پابندی نہ کی ہو یعنی کبھی کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو جیسے عصر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت، ہر ہفتے میں سوموار اور جمعرات کے روزے، وغیرہ۔ سنتِ غیر مؤکدہ کو سنتِ زائدہ بھی کہتے ہیں۔

سوال نمبر۴۲: مستحب کسے کہتے ہیں؟

جواب: مستحب ایسا فعل ہے جس کے کرنے والے کو ثواب ہو گا اور نہ کرنے والے کو گناہ اور عذاب نہیں ہو گا۔ جیسے وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔

سوال نمبر۴۳: مباح کسے کہتے ہیں؟

جواب: وہ کام جو شرعاً حلال ہو نہ حرام۔ اس فعل کو اپنی مرضی سے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب ہے نہ ثواب اور یہی مباح ہے۔ مثلاً لذیذ کھانے کھانا اور نفیس کپڑے پہننا۔

سوال نمبر۴۴: حرام کسے کہتے ہیں؟

جواب: حرام وہ شے یا فعل ہے جس سے لازمی طور پر رک جانے کا مطالبہ کیا جائے یا یوں سمجھ لیں کہ جس طرح فرض کا کرنا ضروری ہے اسی طرح حرام کا چھوڑنا ضروری ہے۔ جیسے مردار، خون، خنزیر کا کھانا اور ناحق قتل، بدکاری، سود، شراب نوشی، والدین کی نافرمانی کرنا، غیبت کرنا اور جھوٹ بولنا وغیرہ سب حرام ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہے۔ حرام کا چھوڑنا لازمی ہے اور اس کا مرتکب سزا کا مستحق ہوتا ہے جبکہ اس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور حرام جانتے ہوئے جو اس کا ارتکاب کرے وہ

فاسق وفاجر ہے۔

سوال نمبر ۴۵ : مکروہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: مکروہ وہ شے یا فعل ہے جس کے ترک کرنے کا مطالبہ حتمی اور لازمی طور پر نہ کیا گیا ہو۔ مکروہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مکروہِ تحریمی ۲۔ مکروہِ تنزیہی

سوال نمبر ۴۶ : مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی میں کیا فرق ہے؟

جواب: ۱) مکروہِ تحریمی: وہ فعل ہے جس سے لازمی طور پر رک جانے کا مطالبہ ہو اور وہ مطالبہ دلیلِ ظنی سے ثابت ہو۔ (یہ واجب کے مقابل ہے اور اس کو اپنانے سے عبادت ناقص ہو جاتی ہے)۔ مثلاً نماز وتر کا چھوڑنا، نمازِ وتر چونکہ واجب ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کو کبھی ترک نہ فرمایا اور اس کے چھوڑنے پر وعید سنائی ہے۔

أَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا. (۱)

’’وتر حق ہے اور جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر حق ہے اور جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر حق ہے اور جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔‘‘

---

(۱) أبوداؤد، السنن، کتاب الصلاة، باب فيمن لم يوتر، ۱:۵۲۷، رقم: ۱۴۱۹

۲) مکروہِ تنزیہی: وہ فعل ہے جس کو ترک کرنے کے مطالبہ میں شدت نہ پائی جائے مثلاً محرم الحرام کی صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا، عورت کا بلا اجازتِ خاوند نفلی روزہ رکھنا۔

سوال نمبر ۴۷: عبادت کا معنی کیا ہے؟

جواب: عبادت عربی زبان کے لفظ ''**عبد**'' سے **مشتق** ہے اور اس کا معنی آخری درجے کی عاجزی و انکساری ہے۔

امام راغب اصفہانی بیان کرتے ہیں:

العبادةُ أَبْلَغُ مِنْهَا لِأَنَّهَا غَايَةُ التَّذُلَّلِ. (۱)

''عبادت عاجزی وفروتنی کی انتہا کا نام ہے۔''

عبادت عاجزی و تعظیم کی آخری حد کا نام ہے آخری حد کی تعظیم کا اظہار صرف اُسی ہستی کے لئے رَوا ہے جو معبودِ برحق ہے۔

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، تفسیر منہاج القرآن میں عبادت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عبادت، صرف ایسے فعل کا نام ہے جو کسی کی نسبت معبود ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے لیے تعظیم، عاجزی اور فروتنی کے اظہار کی خاطر صادر ہو۔''

---

(۱) راغب اصفہانی، المفردات: ۳۱۹

سوال نمبر ۴۸ : اسلام کا حقیقی تصورِ عبادت کیا ہے؟

جواب: اسلام کا حقیقی تصور عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو برضا و رغبت اس طرح بجا لایا جائے کہ انکار کی مجال نہ رہے۔ عبادت کی اصل روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حکم بھی دے، اس پر بلاچون و چرا عمل کیا جائے اور یہ حالت پختہ اعتماد اور یقین کے بغیر ممکن نہیں۔

لہٰذا اطاعت و عبادتِ الٰہی کو صرف نماز، روزہ اور دیگر فرائض تک محدود سمجھنا غلط ہے۔ اس کے برعکس حقیقی اور صحیح تصورِ عبادت یہ ہے کہ بندہ جس دن سن بلوغ کو پہنچے اس دن سے لے کر زندگی کے آخری دن تک اس طرح اپنی زندگی گزارے کہ اس کا کوئی کام بھی خلافِ شرع نہ ہو۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا اپنے بیوی بچوں سے سلوک، اپنے پڑوسیوں، اپنے ماتحتوں، افسروں، مزدوروں اور اپنے سے چھوٹوں اور بڑوں الغرض ہر ذی قرابت اور ذی حق کے ساتھ اس کا سلوک اور معاملہ خدا کے حکم کے مطابق ہو۔ لہٰذا اگر کوئی انسان ذوی الحقوق کے حقوق پورے کرتا ہے تو اس کی زندگی کے شب و روز اور اس کی حیات کا ایک ایک سانس مصروف عبادت ہے۔ اگر کوئی معالج پوری رات یا اس کا کچھ حصہ کسی کراہتے ہوئے مریض کے علاج معالجے کی غرض سے اس کے سرہانے گزار دیتا ہے، تو اس کا یہ عمل بھی عبادت ہے۔

قرآن حکیم نے عبادت کے اس جامع تصور کو یوں بیان کیا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ

وَالنَّبِيِّيْنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتَامٰی وَالْمَسَاکِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصَّابِرِيْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰـئِکَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰـئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ O (۱)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں O‘‘

اس آیتِ کریمہ میں پیش کردہ عبادت کا تصور انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، خواہ ان کا تعلق مذہب سے ہو یا معیشت سے، معاشرت سے ہو یا سیاست سے، حالت جنگ سے ہو یا حالت امن سے، گویا عبادت

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

اطاعتِ الٰہی کی اس کیفیت کا نام ہے جو پوری زندگی کے احوال کو محیط ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۴۹ : نماز (صلوٰۃ) سے کیا مراد ہے؟

جواب: لفظ صلوٰۃ کا لغوی معنی دعا و استغفار اور رحمت ہے۔[۱]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ ؕ.[۲]

''اور (آپ) ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے۔''

هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ.[۳]

''وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔''

اصطلاحِ شریعت میں صلوٰۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی بندگی کا وہ پاکیزہ طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سکھایا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے بامرِ الٰہی جن مخصوص افعال کو مخصوص اوقات میں ادا کرنے کی تلقین کی اسے عام الفاظ میں نماز کہتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ○[۴]

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۴۶۵، ۴۶۶

(۲) التوبۃ، ۹: ۱۰۳

(۳) الأحزاب، ۳۳: ۴۳

(۴) النساء، ۴: ۱۰۳

’’بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے۔‘‘

علامہ جزیری صلوٰۃ کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اصطلاح فقہ میں صلوٰۃ ان اقوال و افعال کا مجموعہ ہے جو تکبیرِ تحریمہ سے شروع اور سلام پر ختم ہوتا ہے۔‘‘(۱)

سوال نمبر ۵۰: نماز کن لوگوں پر فرض ہے؟

جواب: نماز ہر مسلمان، عاقل، بالغ پر خواہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، تندرست ہو یا مریض، مقیم ہو یا مسافر، دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔

سوال نمبر ۵۱: نماز کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: نماز کی چار اقسام ہیں:

۱۔ فرض ۲۔ واجب ۳۔ سنت ۴۔ نفل

۱۔ فرض: دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، یہ نمازیں ہجرت سے پہلے معراج کی رات مسلمانوں پر فرض ہوئیں۔ ان کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے جو شخص ان کی فرضیت کا انکار کرے وہ بالاتفاق مرتد ہے، علاوہ ازیں جمعہ کی نماز مردوں پر فرض ہے جبکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔

۲۔ واجب: عیدین کی نمازیں واجب ہیں۔ علاوہ ازیں عشاء کے وقت تین وتر واجب ہیں۔

---

(۱) جزیری، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة، ۱:۲۷۹

۳۔ سنت: سنت نمازوں میں نمازِ تراویح اور دن میں فرض نمازِ پنجگانہ کے ساتھ ادا کی جانے والی سنن شامل ہیں۔

۴۔ نفل نماز: تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، صلٰوۃ التسبیح، صلٰوۃ الخوف، صلٰوۃ الحاجۃ وغیرہ نفل نمازیں ہیں۔

سوال نمبر ۵۲: نماز کس عمر میں فرض ہوتی ہے؟

جواب: حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق دس سال کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ’’جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز قائم کرنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں تاکیداً نماز پڑھاؤ اور سونے کے لئے ان کے بستر علیحدہ کر دو۔‘‘(۱)

سوال نمبر ۵۳: ادائیگی نماز میں خواتین کے مخصوص مسائل کیا ہیں؟

جواب: ادائیگی نماز میں خواتین کے مخصوص مسائل درج ذیل ہیں:

i۔ حیض و نفاس کی حالت میں خواتین کا نماز پڑھنا حرام ہے۔ ان دنوں کی نمازیں معاف ہیں اور ان کی قضا بھی نہیں (فتاویٰ عالمگیری)

ii۔ استحاضہ کی حالت میں خواتین کو نماز اور روزہ معاف نہیں (استحاضہ سے

---

(۱) أبو داؤد، السنن، کتاب الصّلوٰة، باب متی یؤمر الغلام بالصلاة، ۱: ۱۹۷، رقم: ۴۹۵

مراد وہ خون ہے جو حیض و نفاس کے علاوہ بوجہ بیماری ہو)۔

iii۔ استحاضہ اگر اس حد تک پہنچ جائے کہ اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وضو کر کے فرض نماز ادا کر سکے تو نماز کے پورے ایک وقت شروع ہونے سے آخر تک اسی حالت میں گزر جانے پر اس کو معذور سمجھا جائے گا، اسی حالت میں وضو کر کے ایک وقت کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے تو پھر دوبارہ وضو کر لینا چاہیے۔

iv۔ اگر عورت نے اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھی جس سے بالوں کی سیاہی چمکے تو اس حالت میں بھی اس کی نماز نہیں ہوگی۔

v۔ اکثر خواتین شبِ قدر یا رمضان کے آخری عشرے میں قضائے عمری کے نام سے دو یا چار نفل ادا کرتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ عمر بھر کی نمازوں کی قضا کے لئے کافی ہے تو یہ بالکل غلط اور باطل خیال ہے۔

vi۔ اکثر عورتیں بلا عذر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بجائے فرض و واجب اور سنت و نفل تمام نمازیں بیٹھ کر پڑھتی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے نفل کے سوا کوئی نماز بھی بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔

سوال نمبر ۵۴: نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم میں صرف نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے بلکہ بالتاکید نماز قائم کرنے پر اصرار ہے کیونکہ اگر صرف نماز پڑھنے کا حکم ہوتا تو زندگی میں ایک آدھ بار نماز کا ادا کر لینا ہی

کافی ہوتا جبکہ قرآن حکیم میں متعدد حکمتوں کی بناء پر نماز قائم کرنے پر زور دیا گیا ہے مثلاً

اولاً: اقامت صلوٰۃ کے حکم میں مداومت کا پہلو مضمر ہے جس کا معنی یہ ہے کہ نماز اس طرح ادا کی جائے کہ اسے ترک کرنے کا تصور بھی باقی نہ رہے۔ قرآن حکیم اسے محافظت علی الصلوٰۃ سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ (۱)

''سب نمازوں کی محافظت کیا کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی، اور اللہ کے حضور سراپا ادب و نیاز بن کر قیام کیا کرو ○''

نماز کی مداومت اور محافظت سے مراد یہ ہے کہ نماز اس طرح پوری زندگی کا مستقل وظیفہ اور شعار بن جائے جس طرح شبانہ روز مصروفیات میں آرام نہ کرنے اور کھانا نہ کھانے کا تصور محال ہے اس طرح ترکِ نماز کا تصور بھی خارج از امکان ہو جائے۔

ثانیاً: اقامت صلوٰۃ کے حکم کا معنی یہ ہے کہ نماز کو تمام تر ظاہری اور باطنی آداب ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے کیونکہ صرف ظاہری آداب سے نماز ادا تو ہو جائے گی لیکن باطنی آداب کی عدم موجودگی سے نماز کے مطلوبہ اثرات انسانی زندگی پر مرتب نہیں ہو پائیں گے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۳۸

ثالثاً: نماز قائم کرنے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ پورے معاشرے میں نظام صلوٰۃ برپا ہو جائے اور اس کے ذریعے ہر شعبہ زندگی کو ایسے ہمہ گیر انقلاب سے آشنا کیا جائے کہ معاشرے کی ہمہ جہت ترقی، اصلاح احوال اور فلاح دارین کے مقاصد پورے ہوتے رہیں۔

سوال نمبر ٥٥: نماز کو مومن کی معراج کیوں کہتے ہیں؟

جواب: نماز کو مومن کی معراج اس لیے کہا جاتا ہے کہ حقیقی کیف و سرور اور روحانی لذت کے حصول اور قربِ الٰہی پانے کا نماز سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ جملہ عبادات میں تنہا نماز ہی ایسا عمل ہے جسے آقائے دو جہاں ﷺ نے اہلِ ایمان کی معراج قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الصَّلٰوةُ هِيَ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ.(١)

''نماز ہی مومن کی معراج ہے۔''

سوال نمبر ٥٦: زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: نماز کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن زکوٰۃ ہے۔ لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کا لفظ دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک معنی پاکیزگی، طہارت اور پاک صاف ہونے یا کرنے اور دوسرا معنی نشوونما اور ترقی کا ہے۔(٢)

زکوٰۃ کے اول الذکر معنی کی وضاحت قرآن مجید یوں کرتا ہے:

---

(١) سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ١: ٣١٣، رقم: ٤٢٣٩

(٢) إبراهيم انيس، المعجم الوسيط، ١: ٣٩٦

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ۝[1]

’’بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی) ۝‘‘

اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں دنیوی و اخروی کامیابی کے لئے طہارت و تزکیۂ نفس کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اسے مدِ نظر رکھنے سے زکوٰۃ کا اطلاق راہِ خدا میں خرچ کیے جانے والے اس مال پر ہوتا ہے جو دولت کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کرتا ہے اور جس طرح نفس کو آلائشوں سے پاک کیا جاتا ہے اسی طرح کھیتی کو فالتو جڑی بوٹیوں سے پاک صاف کرنے پر بھی لفظ زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا دوسرا مفہوم نشوونما پانے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا ہے۔

اس مفہوم کی رو سے زکوٰۃ کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اس میں کمی نہیں آتی بلکہ وہ مال خدا کا فضل اور برکت شامل ہونے کی وجہ سے بڑھتا ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝[2]

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق

---

(۱) الشمس، ۹۱:۹

(۲) التوبہ، ۹:۱۰۳

میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعث) تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

سوال نمبر ۵۷: زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟

جواب: زکوٰۃ کے نصاب کی کم از کم مقدار ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے برابر ہے جو سال کے جمع شدہ مال پر اڑھائی فیصد کی شرح سے مقرر کی گئی ہے۔ یہ مال کی کم سے کم مقدار ہے جس پر زکوٰۃ کی فرضیت عائد ہوتی ہے۔ اس سے انکار انسان کو دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دیتا ہے اور اس سے پہلو تہی مسلمان کے ایمان و اسلام کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ (۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا الزَّكٰوة. (۲)

’’اور زکوٰۃ دیا کرو۔‘‘

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُ الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج. (۳)

’’اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ شرنبلالی، نور الإیضاح، ۱: ۱۴۷
۲۔ زحیلی، الفقه الإسلامی و ادلته، ۲: ۷۳۳
۳۔ جزیری، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، ۱: ۹۵۸

(۲) البقره، ۲: ۴۳

(۳) البقرة، ۲:۲۷۷

سوال نمبر ۵۸ : مصارفِ زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مصارف مصرف کی جمع ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ سے مراد وہ مدّات ہیں جن پر مالِ زکوٰۃ خرچ کیا جاسکتا ہے، جیسے فقیر، مسکین، قرضدار اور مسافر طالب علم وغیرہ۔ قرآن حکیم میں درج ذیل آٹھ مصارفِ زکوٰۃ بیان ہوئے ہیں:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ‌ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ۝ (۱)

''بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)، یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۝''

سوال نمبر ۵۹ : زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ **مسلمان ہونا:** زکوٰۃ مسلمان پر فرض ہے، کافر اور مرتد پر نہیں۔

---

(۱) التوبہ، ۹: ۶۰

۲۔ **بالغ ہونا:** زکوٰۃ بالغ مسلمان پر فرض ہے، نابالغ زکوٰۃ کی فرضیت کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۳۔ **عاقل ہونا:** زکوٰۃ عاقل مسلمان پر فرض ہے، دیوانے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

۴۔ **آزاد ہونا:** زکوٰۃ آزاد وخود مختار پر فرض ہے، غلام پر نہیں۔

۵۔ **مالک نصاب ہونا:** شریعت کے مقرر کردہ نصاب سے کم مال کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

۶۔ **مال کا صاحبِ نصاب کے تصرف میں ہونا:** مال صاحبِ نصاب کے تصرف میں ہو تو تب ہی اس پر زکوٰۃ فرض ہے مثلاً کسی نے اپنا مال زمین میں دفن کر دیا اور جگہ بھول گیا اور پھر برسوں بعد وہ جگہ یاد آئی اور مال مل گیا، تو جب تک مال نہ ملا تھا اس زمانہ کی زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ وہ اس عرصہ میں نصاب کا مالک تو تھا مگر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے پورے طور پر مالک نہ تھا۔

۷۔ **صاحبِ نصاب کا قرض سے فارغ ہونا:** مثلاً کسی کے پاس مقررہ نصاب کے برابر مال تو ہے مگر وہ اتنے مال کا مقروض بھی ہے تو اس کا مال قرض سے فارغ نہیں ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

۸۔ **نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا:** حاجتِ اصلیہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو زندگی بسر کرنے میں بعض بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے رہنے کیلئے مکان، پہننے کیلئے بلحاظ موسم کپڑے اور دیگر گھریلو اشیائے ضرورت جیسے برتن، وغیرہ۔ اگرچہ یہ سب سامان زکوٰۃ کے مقررہ نصاب

سے زائد مالیت کا ہی ہو مگر اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی کیونکہ یہ سب مال و سامان حاجتِ اصلیہ میں آتا ہے۔

۹۔ **مالِ نامی ہونا:** یعنی مال بڑھنے والا ہو خواہ حقیقتاً بڑھنے والا مال ہو جیسے مال تجارت اور چرائی پر چھوڑے ہوئے جانور یا حکماً بڑھنے والا مال ہو جیسے سونا چاندی۔ یہ ایسا مال ہے جس کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے بدلے دیگر اشیاء خریدی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا سونا چاندی جس حال میں بھی ہو خواہ زیورات اور برتنوں کی شکل میں ہو یا زمین میں دفن ہو ہر حال میں یہ مالِ نامی یعنی بڑھنے والا مال ہے اور ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۱۰۔ **مالِ نصاب کی مدت:** نصاب کا مال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی بلکہ ایک سال تک وہ نصاب مِلک میں باقی رہے تو سال پورا ہونے کے بعد اس پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔[(۱)]

سوال نمبر ۶۰ : سونے چاندی پر زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟

جواب: جب سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون (۵۲) تولے ہو تو سونا اور چاندی میں چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد کے حساب سے نکال کر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سونے کی زکوٰۃ میں سونا اور چاندی کی زکوٰۃ میں چاندی ہی دی جائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ

---

(۱) ۱۔ شرنبلالی، نورالایضاح، ۱۴۶

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۷۲:۲

سونے چاندی کی قیمت لگا کر اتنی رقم زکوٰۃ کے طور پر دے دی جائے۔[۱]

سوال نمبر ۶۱: زیور کی زکوٰۃ مرد کی ذمہ داری ہے یا عورت کی؟

جواب: جن زیورات کی مالک عورت ہو خواہ وہ میکہ سے لائی ہو یا اس کے شوہر نے اُسے ان کا مالک بنا دیا ہو۔ تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا عورت پر فرض ہے اور جن زیورات کا مالک مرد ہو یعنی عورت کو صرف پہننے کے لئے تو دیا ہو لیکن مالک نہیں بنایا تو ان زیورات کی زکوٰۃ مرد کے ذمہ ہے عورت پر نہیں ہے۔[۲]

سوال نمبر ۶۲: انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: انفاق فی سبیل اللہ سے مراد ہے: ضرورت مندوں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھتے ہوئے مال خرچ کرنا۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے کہ جو مال تمہاری، چند روزہ زندگی میں تمہیں نصیب ہوا ہے اور جسے تم چھوڑ کر جانے والے ہو اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے آخرت کا سامان تیار کرو۔ سورۃ الحدید میں بالخصوص انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝[۳]

---

(۱) ۱۔ مرغینانی، بدایۃ المبتدی، ۱:۲۵
۲۔ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۲:۷۶۷
۳۔ حصکفی، الدرالمختار، ۱: ۱۳۴

(۲) فتاویٰ رضویہ، جلد: ۴

(۳) الحدید، ۵۷:۷

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اَجر ہے۔‘‘

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو زمین و آسمان کی میراث کا مالک قرار دے کر بڑے عمدہ انداز میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط. (۱)

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم تو فقط اس مالک کے نائب ہو)۔‘‘

بعض لوگ اپنے مال میں کمی کے اندیشہ کے پیش نظر خرچ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی اچھی تمثیل کے ذریعے انفاق فی سبیل اللہ کو اپنی بارگاہ میں قرض حسنہ قرار دیا ہے۔

کہ جو مجھے قرض دے گا میں اس کی بہترین جزا دیتا ہوں، ارشاد فرمایا:

---

(۱) الحدید، ۵۷: ۱۰

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ط وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُّطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ o [1]

''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اورتم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے o''

لہٰذا رضا الٰہی کی خاطر اس کے ضرورتمند بندوں کی ضروریات کو پورا کرنا اور اس کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ جو بڑے اجر کا باعث عملِ خیر ہے۔

سوال نمبر۶۳ : صدقاتِ واجبہ اورصدقاتِ نافلہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: وجوب اور عدم وجوب کے لحاظ سے صدقہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔صدقہ واجبہ ۲۔صدقہ نافلہ

۱۔صدقہ واجبہ

صدقہ واجبہ سے مراد ایسے صدقات ہیں جن کا ادا کرنا ہر صاحب نصاب پر بطورِ فرض لازم ہے مثلاً زکوٰۃ، صدقہ فطر، عشر اور نذر یعنی منت کا پورا کرنا وغیرہ۔

۱۔ قرآن حکیم میں زکوٰۃ کی اہمیت ان الفاظ سے بیان کی گئی ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۴۵

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ج[1]

’’اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے، سو میں عنقریب اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور وہی لوگ ہی ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۝‘‘

۲۔ زکوۃ کی طرح صدقہ فطر بھی ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے جس کی اہمیت احادیث نبوی ﷺ میں بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، أَوْ رَجُلٍ أَوِ امْرَأَةٍ، صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ، صَاعًا مِنْ تَمَرٍ، اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ.[2]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے صدقہ فطر کو ہر مسلمان غلام اور آزاد، مرد و عورت، بچے اور بوڑھے پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو واجب ٹھہرایا۔‘‘

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے سال بھر نصاب کا باقی رہنا شرط ہے جبکہ صدقہ فطر میں نصاب پر سال کا گذرنا شرط نہیں بلکہ اگر کسی شخص کے پاس

---

(۱) اعراف، ۷: ۱۵۶

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب: زکوۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر، ۲: ۶۷۸، رقم: ۹۸۴

عیدالفطر کے دن نصاب زکوۃ کے برابر مال اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہوتو اس پر صدقہ فطر کی ادائیگی واجب ہے۔

۳۔ اسی طرح زمین سے جو بھی پیداوار ہو گیہوں، جو، چنا، باجرا، دھان وغیرہ ہر قسم کے اناج، گنا، روئی ہر قسم کی ترکاریاں، پھول، پھل میوے سب پر عشر واجب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو آسمان یا چشموں نے سیراب کیا یا زمین عشری ہو یعنی نہر کے پانی سے اسے سیراب کیا جاتا ہو اس پر عشر (یعنی پیداوار کا دسواں حصہ) اور جس زمین کو سیراب کرنے کے لئے جانور پر پانی لاد کر لاتے ہیں۔ اس میں نصف عشر (یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے۔

۲۔صدقہ نافلہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی ضرورت سے زائد مال غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور فقیروں پر خرچ کرے وہ نفلی صدقہ میں شمار ہوگا۔ پس جو جتنا زیادہ خرچ کرے گا آخرت میں اس کے درجات بھی اتنے ہی بلند ہوں گے۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (۱)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۱

(اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

’’حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

’’جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر‘‘۔(۱)

قرآن حکیم اور احادیث میں صدقات واجبہ کے علاوہ بھی بار بار صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سوال نمبر ۶۴ : اسلام میں فضول خرچی کی کیا مذمت بیان ہوئی ہے؟

جواب: اسلام ہر شعبہ زندگی میں سادگی، اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرتا ہے۔ فضول خرچی، عیش وعشرت اور نمود و نمائش سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ اس کی شدید مذمت بھی کرتا ہے۔

فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَo(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب اتقو النار و لو لبشق تمرۃ والقلیل من الصدقۃ، ۲: ۵۱۴، رقم: ۱۳۵۱

(۲) الاعراف، ۷: ۳۱

''اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتاo''

فضول خرچی کی نہ صرف مذمت کی گئی بلکہ سخت تنبیہ کی گئی ہے اور ایسے کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًاo[1]

''اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہےo''

اسلام ہر شعبۂ زندگی کی طرح مال خرچ کرنے میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا درس دیتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًاo[2]

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

”اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے ٥“

علاوہ ازیں کھانے کے لیے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال، مردوں کیلئے ریشمی کپڑے، شادی بیاہ کے موقع پر خواتین کا بے جا اسراف سب فضول خرچی کے زمرے میں آتے ہیں جو قطعاً حرام ہیں اور جن کی مذمت ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے۔

سوال نمبر ٦٥ : اسلام میں صبر و شکر کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: عربی لغت میں صبر کا معنی برداشت سے کام لینے۔خود کو کسی بات سے روکنے اور باز رکھنے کے ہیں۔ جبکہ شکر کے معانی عربی لغت میں اظہارِ احسان مندی، جذبہ سپاس گزاری کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔صبر کے عمل میں ارادے کی مضبوطی اور عزم کی پختگی ضروری ہے۔ بے کسی، مجبوری اور لاچاری کی حالت میں کچھ نہ کرسکنا اور روکر کسی تکلیف و مصیبت کو برداشت کرلینا ہرگز صبر نہیں ہے بلکہ صبر کا تانا بانا استقلال و ثابت قدمی سے قائم رہتا ہے۔ اس وصف کو قائم رکھنا ہی صبر ہے۔مسلمان کی پوری زندگی صبر و شکر سے عبارت ہے۔ دین اسلام کی ہر بات صبر و شکر کے دائرے میں آجاتی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَo (۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں اور اس عطا میں سے جو ہم نے انہیں بخشی خرچ کرتے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے دیگر نیک اعمال کے مقابلہ میں صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍo (۲)

’’(محبوب میری طرف سے) فرما دیجئے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے جو اس دنیا میں صاحبانِ احسان ہوئے، بہترین صلہ ہے، اور اللہ کی سرزمین کشادہ ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گاo‘‘

شکر اخلاق، اعمال اور عبادات کا بنیادی جزو ہے۔ جذبۂ شکر کے بغیر تمام اعمال و عبادات بے معنی ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں شکر

---

(۱) القصص، ۲۸: ۵۴

(۲) الزمر، ۳۹: ۱۰

کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيۡمًا○ (۱)

’’اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ، اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا ہے○‘‘

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ شکر کو ملا کر ذکر کیا اور ان دونوں کو رفع عذاب کا باعث قرار دیا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِيۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ○ (۲)

’’سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو○‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کو کثرت سے قیام فرماتے اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ کثرتِ قیام کی وجہ سے آپ ﷺ کے مبارک پاؤں سوج جاتے۔ آپ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندے

---

(۱) النساء، ۴: ۱۴۷

(۲) البقرہ، ۲: ۱۵۲

ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا. (۱)

”کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔“

گویا پتہ چلا کہ صبر و شکر دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ملا دیا اور قرآن حکیم میں دونوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ o (۲)

”تو وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہماری منازلِ سفر کے درمیان فاصلے پیدا کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں (عِبرت کے) فسانے بنا دیا اور ہم نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے منتشر کر دیا۔ بیشک اس میں بہت صابر اور نہایت شکر گزار شخص کے لئے نشانیاں ہیںo“

حضرت مغیرہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الشکر نصف الایمان والصبر نصف الایمان و الیقین

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب صفة القیامة و الجنة و النار، باب: اکثار الاعمال و الاجتهاد فی العبادة، ۴: ۲۱۷۲، رقم: ۲۸۲۵

(۲) السباء، ۳۴: ۱۹

الایمان کله. [۱]

''صبر نصف ایمان ہے، اور شکر نصف ایمان اور یقین کامل ایمان ہے۔''

یعنی یقین دونوں کی اصل ہے اور یہ دونوں اس کے پھل ہیں۔

سوال نمبر٦٦ : روزہ (صوم) سے کیا مراد ہے؟

جواب: صوم کا لغوی معنی کسی چیز سے رُکنا اور کسی چیز کو چھوڑ دینا ہے اور روزہ دار وہ ہے جو اپنے آپ کو کھانے، پینے اور عمل مباشرت سے روکے۔ [۲]

جبکہ اصطلاحِ شریعت میں مسلمان کا بہ نیتِ عبادت طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا اور عملِ مباشرت سے رکے رہنا روزہ کہلاتا ہے۔

سوال نمبر٦٧ : روزہ فرض ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: روزہ کی فرضیت کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ مسلمان ہونا	۴۔ عاقل ہونا
۲۔ بالغ ہونا	۵۔ تندرست ہونا
۳۔ مقیم ہونا	٦۔ عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا

---

(۱) بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۱۰۹، رقم: ۴۴۴۸

(۲) لسان العرب، ۱۲: ۳۵۱

سوال نمبر ٦٨: روزے کی فضیلت و اہمیت کیا ہے؟

جواب: روزے کی فضیلت و اہمیت دیگر عبادات کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اور بے حساب ہے اس طرح ہے کہ انسان کے ہر نیک کام کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے جبکہ روزہ کا اجر خود اللہ تعالیٰ عطا کرے گا۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا اَجْزِيْ بِهِ. (١)

’’ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزے کے۔ پس یہ (روزہ) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔‘‘

روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے انتہا اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ کئی خوشیاں بھی ملیں گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ. (٢)

’’روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں جن سے اسے فرحت ہوتی ہے:

---

(١) بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب هل یقول انی صائم اذا شتم، ٢: ٦٧٣، رقم: ١٨٠٥۔

(٢) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم، ٢: ٦٧٣، رقم: ١٨٠٥

٢۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب: فضل الصیام، ٢: ٨٠٧، رقم: 1151

افطار کرے تو خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو روزہ کے باعث خوش ہوگا۔‘‘

سوال نمبر ٦٩ : روزہ ترک کرنے کی وعید کیا ہے؟

جواب: بغیر شرعی عذر کے روزہ نہ رکھنا یا رکھ کر توڑ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی قضا بہر صورت واجب ہے۔ قصدًا بلاوجہ روزہ رکھ کر توڑنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ بطورِ کفارہ ایک روزہ کے بدلے میں مسلسل دو ماہ یعنی ٦٠ دن کے روزے رکھنا ضروری ہیں، جیسا کہ حدیث نبوی میں مذکور ہے۔ جبکہ بلا عذر شرعی رمضان شریف کا ایک روزہ اگر چھوڑ دیا جائے تو یہ بہت بڑے اجر سے محرومی کا باعث ہے جس کا ازالہ عمر بھر کے روزے بھی نہیں کرسکتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِن أفطَرَ يَوْمًا من رَمَضانَ، من غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلا مَرضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، وَ إنْ صَامهُ. (١)

’’جس نے بغیر شرعی اجازت اور بیماری کے رمضان شریف کا ایک روزہ بھی توڑا اسے عمر بھر کے روزے کفایت نہیں کر سکتے اگرچہ وہ عمر بھر روزے رکھے۔‘‘

سوال نمبر ٧٠ : روزہ کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: کتب فقہ میں روزہ کی ۸ اَقسام بیان ہوئی ہیں:

---

(١) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصوم عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء في الإفطَارِ مُتَعَمِّدًا ٢: ٩٣، رقم: ٧٢٣

۱۔ **فرضِ معیّن** (ماہ رمضان کے روزے)

۲۔ **فرضِ غیر معیّن** (ماہ رمضان کے قضا شدہ روزے)

۳۔ **واجب معیّن** (کسی خاص دن یا تاریخ میں روزہ رکھنے کی منت مانیں تو اسی دن یا تاریخ کو روزہ رکھنا واجب ہے)

۴۔ **واجب غیر معیّن** (کفارے کے روزے، نذرِ غیر معین کے روزے اور توڑے ہوئے نفلی روزوں کی قضا)

۵۔ **سنت** (محرم الحرام کی نویں اور دسویں تاریخ کے روزے، عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ اور ایامِ بیض یعنی ہر قمری مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے)

۶۔ **نفل** (ماہ شوال کے چھ روزے، ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ، سوموار، جمعرات اور جمعہ کا روزہ)

۷۔ **مکروہ تنزیہی** (محرم الحرام کی صرف دسویں تاریخ کا روزہ، صرف ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا، عورت کا بلا اجازتِ خاوند نفلی روزہ) رکھنا

۸۔ **مکروہ تحریمی** (عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کے دو روزے اور ایّامِ تشریق یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ کے روزے)۔[۱]

---

(۱) ۱۔ شرنبلالی، نور الإیضاح، ۱۲۹
۲۔ زحیلی، الفقه الإسلامی و ادلته، ۲: ۵۷۸
۳۔ زین بن ابراهیم، البحر الرائق، ۲: ۲۷۷

سوال نمبر ۷۱ : کن صورتوں میں رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے؟

جواب: درج ذیل صورتوں میں رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے:

بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے، ہلاک ہونے کا ڈر، ایامِ حمل میں اور بچے کو دودھ پلانے کی حالت میں، دیوانگی کی حالت میں اور جہاد کے دوران۔ یہ سب ایسے عذر ہیں کہ اگر ان کی وجہ سے کوئی روزہ نہ رکھے تو گنہگار نہیں لیکن بعد میں جب بھی یہ عذر ختم ہو جائیں تو چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا کرنا لازم ہے۔

سوال نمبر ۷۲ : رمضان المبارک میں خواتین کے مخصوص مسائل کیا ہیں؟

جواب: رمضان المبارک میں خواتین کے مسائل درج ذیل ہیں:

i۔ اگر کوئی عورت حالتِ حیض یا نفاس میں ہو تو ایسی حالت میں روزہ رکھنا منع ہے۔

ii۔ حمل والی خواتین کو اگر اپنی جان یا بچے کے ہلاک ہونے کا ڈر ہو تو ایسی صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

iii۔ اگر دودھ پلانے والی عورت کو دودھ کے سوکھ جانے کا ڈر ہو تو ایسی حالت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ خواہ دودھ پلانے والی بچے کی ماں

ہو یا دائی اگرچہ رمضان میں معاوضہ لے کر کسی بچے کو پلاتی ہو۔

نوٹ: **مذکورہ بالا تین حالتوں میں روزہ نہ رکھنے سے خواتین گناہگار نہیں ہوں گی بلکہ عذر ختم ہو جانے کے بعد صرف ان چھوڑے ہوئے روزوں کا رکھنا ان پر فرض ہے۔**

سوال نمبر ۷۳ : حج کسے کہتے ہیں؟

جواب: لغوی رُو سے حج کا معنی قصد کرنا، زیارت کا ارادہ کرنا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں مخصوص اوقات میں خاص طریقوں سے ضروری عبادات اور مناسک کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا، کعبہ اللہ کا طواف کرنا اور میدانِ عرفات میں ٹھہرنا حج کہلاتا ہے۔

سوال نمبر ۷۴ : ایک مسلمان پر زندگی میں حج کب اور کتنی بار فرض ہے؟

جواب: ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت، زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ؕ. (۱)

’’اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

(۱) آل عمران، ۳: ۹۷

ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا.

’’اے لوگو! تم پر حج فرض قرار دیا گیا ہے لہٰذا حج کیا کرو۔‘‘

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ اس پر خاموش رہے یہاں تک کہ اس صحابی نے یہ سوال تین بار دہرایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ. (۱)

’’اگر میں ’’ہاں‘‘ کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے یہ نہ ہو سکتا۔‘‘

لہٰذا حج، عمر بھر میں ایک بار فرض ہے۔

سوال نمبر ۷۵: حج کے فرائض کیا ہیں؟

جواب: حج کے چھ فرائض ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اِحرام باندھنا: یہ شرط ہے۔

۲۔ وقوفِ عرفہ: یعنی نویں ذوالحجہ کے غروب آفتاب سے دسویں کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے کسی وقت مقامِ ’’عرفات‘‘ میں ٹھہرنا۔

۳۔ طوافِ زیارت: طواف کے سات پھیروں میں سے کم از کم چار پھیرے مکمل کرنا۔ یہ دونوں چیزیں یعنی وقوفِ عرفات اور طوافِ زیارت حج کے رکن

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، ۲: ۹۷۵، رقم: ۱۳۳۷

ہیں۔

۴۔نیت: حج کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔

۵۔ ترتیب: یعنی پہلے احرام باندھنا پھر عرفہ میں ٹھہرنا پھر طواف زیارت، ہر فرض کا بالترتیب اپنے وقت پر ادا کرنا۔

۶۔ مکان: یعنی وقوف عرفہ، میدانِ عرفات میں نویں ذی الحجہ کوٹھہرنا سوائے بطنِ عرفہ کے (یہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے جو مسجد نمرہ کے مغرب کی طرف یعنی کعبہ معظّمہ کی طرف واقع ہے۔ یہاں وقوف جائز نہیں) اور مسجد الحرام کا طواف کرنا۔

سوال نمبر۷۶: حج کے واجب ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: حج کے واجب ہونے کی شرائط مقرر ہیں۔ اگر وہ شرائط پائی جائیں تو حج واجب ہوگا، بصورت دیگر نہیں۔ وجوبِ حج کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔مسلمان ہونا　　۶۔ دورانِ سفر اخراجات کرنے کی قوت میسر ہونا

۲۔ بالغ ہونا　　۷۔ راستے میں امن و امان ہونا

۳۔عقلمند ہونا　　۸۔ جان کا خوف نہ ہونا

۴۔آزاد ہونا　　۹۔عورت کا حالت عدت میں نہ ہونا

۵۔تندرست ہونا　　۱۰۔عورت کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا۔[1]

---

(۱) ۱۔ کاسانی، بداء الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲: ۱۲۵
۲۔ محمد امین، حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۱۵۳
۳۔ فتاوی عالمگیری، ۲: ۴۴

سوال نمبر ۷۷: عمرہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: حج کے مقررہ دنوں کے علاوہ احرام باندھ کر کعبہ کے طواف اور صفا مروہ میں سعی کرنے کو عمرہ کہتے ہیں۔ اس کے ادا کرنے کے بعد سر منڈوا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دیا جاتا ہے۔ عمرہ سنت ہے، واجب نہیں اور سال میں کئی بار ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر ۷۸: عمرہ کے فرائض اور واجبات کیا ہیں؟

جواب: عمرہ کے دو فرائض ہیں:

۱۔ احرام ۲۔ کعبہ کا طواف

جبکہ واجبات بھی دو ہی ہیں:

۱۔ صفا و مروہ کا طواف کرنا ۲۔ سر منڈوانا یا بال کترانا

سوال نمبر ۷۹: کیا عورت محرم کے بغیر حج کر سکتی ہے؟

جواب: ''بالکل نہیں حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے عورت کے ہمراہ شوہر یا محرم کا ہونا شرط ہے خواہ وہ عورت جوان ہو یا بڑھیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ، تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ. (۱)

---

(۱) بخاری، الصحيح، أبواب تقصير الصلاة، ۱، ۳۶۹، رقم: ۱۰۳۸

”کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک دن کا سفر کرے اور اس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو۔“

محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کے لئے اس عورت کا نکاح حرام ہے خواہ نسب کی وجہ سے نکاح حرام ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ یا دودھ کے رشتہ سے نکاح کی حرمت ہو جیسے رضاعی بھائی، باپ، بیٹا وغیرہ یا سسرالی رشتہ سے حرمت آئی جیسے خسر، شوہر کا بیٹا، شوہر یا محرم جس کے ساتھ سفر کرسکتی ہے لیکن اس کا عاقل بالغ اور غیر فاسق ہونا شرط ہے۔ مجنون یا نابالغ یا فاسق کے ساتھ بھی عورت سفر پر نہیں جاسکتی۔

سوال نمبر۸۰ : اسلام کا تصورِ دعوت وتبلیغ کیا ہے؟

جواب: اسلام میں دعوت وتبلیغ فرضِ عین کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کے لئے لوگوں کو نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا فرض قرار دیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ[1]

”تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں کی (رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ

---

(۱) آل عمران، ۳:۱۱۰

پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی تبلیغ اور دعوتِ اسلام میں گزری۔ قرآنِ حکیم نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تبلیغ کے عملی مراحل اور اصول سکھاتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط.(۱)

’’(اے رسولِ معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔‘‘

سوال نمبر ۸۱: کیا کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا جائز ہے؟

جواب: دین اسلام میں کسی قسم کے جبر، سختی اور تنگی کا کوئی تصور نہیں کیونکہ ہر شخص کو شعور کی دولت سے نواز کر یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھتے ہوئے اپنی مرضی کا راستہ اختیار کرے۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قف قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج.(۲)

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔‘‘

---

(۱) النحل، ۱۶: ۱۲۵

(۲) البقرہ، ۲: ۲۵۶

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (۱)

''اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیئے ۝''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی زندگی کا راستہ منتخب کرنے کے لئے واضح رہنمائی عطا کر دی ہے۔ لہٰذا کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ جبر و زیادتی سے اپنا راستہ اور طریقِ زندگی دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرے، ہاں البتہ حکمت، تبلیغ اور تلقین سے کسی کو قائل کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۸۲ : اگر کوئی کافر جنگ میں خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی کافر جنگ کے دوران موت کے خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھ لے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ اسلام جنگ و جدل کا نہیں بلکہ امن و اصلاح کا دین ہے۔ احادیث میں تو یہاں تک تاکید ملتی ہے کہ اگر کوئی کافر سر پر لٹکتی تلوار دیکھ کر اسلام قبول کر لے تو اس کے قتل سے ہاتھ روک لینا ضروری ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی ایک کافر کو قتل کرنے ہی والے تھے کہ اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا مگر صحابی نے اس کے کلمے کی پرواہ نہ کی اور اسے قتل کر دیا۔

---

(۱) البلد، ۹۰: ۱۰

حضور نبی اکرم ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سخت الفاظ میں اس قتل کی مذمت کی اور صحابی کے اس قول پر کہ اس کافر نے محض جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا، ارشاد فرمایا:

أَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟(۱)

''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟''

آپ ﷺ نے پھر اس مقتول کے ورثاء کو پوری دیت ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

سوال نمبر۸۳ : اسلام قبول کرنے والے شخص کے قبول اسلام سے پہلے کے اعمال کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لے تو اس کے حالتِ کفر میں سرزد ہونے والے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

''قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ جو شخص مسلمان ہو گیا اس کے زمانۂ کفر کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد أن قال لا إله إلا الله، ۱: ۹۶، رقم: ۹۶

۲۔ ابو دائود، السنن، کتاب الجهاد، باب علی ما یقاتل المشرکون، ۳: ۳۹۳، رقم: ۲۶۴۳

(۲) نووی، شرح صحیح مسلم، ۲: ۱۳۶

اس کی وضاحت اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

’’اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پچھلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟‘‘(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین میں سے بعض لوگ کثرت سے بدکاری و شراب نوشی اور دیگر کبیرہ گناہوں میں ملوث تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: آپ ہمیں جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بہترین دین ہے لیکن کیا اسلام قبول کرنے سے ہمارے (سابقہ) گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ O(۲)

’’آپ فرما دیجیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے O‘‘

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب کون الاسلام یهدم ما قبله، ۱: ۱۱۲، رقم: ۱۲۱

(۲) الزمر، ۳۹:۵۳

مذکورہ حدیث میں صراحت کے ساتھ قبولِ اسلام سے پہلے کیے گئے برے اعمال کی معافی کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث شریف حالتِ کفر میں کیے گئے نیک اعمال کی وضاحت یوں کرتی ہے:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: کیا مجھے ان نیکیوں پر اجر ملے گا جو میں نے زمانۂ جاہلیت میں کی تھیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زمانہ جاہلیت میں جن نیکیوں کی تم نے عادت ڈالی تھی، وہ عادت اسلام میں بھی باقی رہے گی۔''(۱)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے اسی سوال پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سابقہ نیکیوں ہی کی بدولت تم کو اسلام قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔''(۲)

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص ظاہراً اور باطناً مسلمان ہو گیا اس کے زمانۂ کفر کے برے کاموں پر مواخذہ نہیں ہو گا اور سابقہ نیک کاموں کی بدولت وہ آئندہ زندگی میں بھی اچھے اعمال جاری رکھے گا۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان حکم عمل الکافر إذا أسلم بعده، ۱: ۱۱۳، رقم: ۱۲۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب من تصدق فی الشرك ثم اسلم، ۲: ۵۲۱، رقم: ۱۳۶۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان حکم عمل الکافر اذا أسلم بعده، ۱: ۱۱۴، رقم: ۱۲۳

سوال نمبر۸۴ : اسلام کردار کے زور سے پھیلا ہے یا تلوار کے زور سے؟

جواب: اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ یہ کردار سے پھیلا ہے تلوار کے زور سے نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کفار و مشرکین کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے اپنے کردار کو پیش کیا تھا۔ قرآن حکیم میں ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱)

’’بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے ۝‘‘

لوگوں میں عمر گزارنا سیرت و کردار کا پتا دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ صادق اور امین جانے جاتے تھے اور کفار و مشرکین کو حضور نبی اکرم ﷺ کے حسن اخلاق اور حسن کردار کا اس حد تک اعتراف تھا کہ بت پرستی پر قائم رہنے کے عوض وہ وہ آپ کی ساری باتیں ماننے پر تیار تھے۔ جب وہ اس پر سمجھوتہ نہ کرنے کے حوالے سے مکمل طور پر مایوس ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں مسلمان حاضر ہوتے تو کوئی زخمی حالت میں ہوتا، کسی کو کوڑوں سے مارا گیا ہوتا، تو کسی کو تپتی ریت پر گھسیٹا گیا ہوتا۔ یہ دردناک صورتحال دیکھ کر حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کو صبر کی تلقین فرماتے۔ (۲)

بیعت عقبہ اولیٰ کے موقعہ پر حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ روانہ فرمایا۔ ان کی دعوت اس قدر پر اثر ثابت ہوئی کہ

---

(۱) یونس، ۱۰: ۱۶

(۲) تبیان القرآن، ۵: ۷۶۲

اگلے سال حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ۷۵ مسلمانوں کو بیعت عقبہ ثانیہ کے لئے مکہ لے کر آئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے ہمراہ ۱۲ انصار صحابہ کو نقباء مقرر فرما کر مدینہ رخصت کیا اور جب ہجرت مدینہ ہوئی تو مدینہ کے لوگوں کی غالب اکثریت اس حال میں مسلمان ہو چکی تھی کہ نہ تلوار اٹھائی گئی اور نہ ہی اذن قتال نازل ہوا تھا۔

قرآنی تعلیمات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۶۳ سالہ انقلابی جدوجہد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جتنے بھی معرکے ہوئے، ان میں کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی ایک بھی مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ ضرورت کے وقت دفعِ شر اور فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے جنگ میں پہل کی گئی لیکن زیادہ تر معرکوں کی نوعیت دفاعی رہی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مخالفین نے سرِ تسلیم خم کیا یا راہِ فرار اختیار کی، صلح کے لئے ہاتھ بڑھایا یا ہتھیار ڈال دیئے تو پھر مسلمانوں نے بھی ان پر ہتھیار نہ اٹھائے۔ اسلام میں جنگ محض برائے جنگ نہیں بلکہ قیامِ امن کا ذریعہ ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو سندھ دار السلام بن گیا۔ یہ محض مسلمانوں کے کردار اور ان کے ثقافتی غلبہ کا اثر تھا کہ غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے اور دنیا میں ہر طرف اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

سوال نمبر ۸۵: اسلام میں جہاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اسلامی تعلیمات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جہاد اسلام کا ایک اہم رکن ہے، یہ محض قتال، جنگ یا دشمن کے ساتھ محاذ آرائی کا نام نہیں۔ یہ اس وقت ہر مومن پر فرض ہے جب کفار مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ پر اتر

آئیں، اور ان پر ناحق ظلم وستم کا بازار گرم کریں۔ قرآنی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہجرت کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ کا فیصلہ کیا تو اس موقع پر اذنِ دفاع نازل ہوا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ نِ o الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o[1]

’’ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے جن سے (ناحق) جنگ کی جارہی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بیشک اﷲ ان (مظلوموں) کی مدد پر بڑا قادر ہے o (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اﷲ ہے (یعنی انہوں نے باطل کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا)، اور اگر اﷲ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ (جہاد و انقلابی جدو جہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں (یعنی تمام ادیان کے مذہبی مراکز اور عبادت گاہیں) مسمار اور ویران کر دی جاتیں جن میں کثرت سے اﷲ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے، اور جو شخص اﷲ (کے

---

(۱) الحج، ۲۲: ۳۹۔ ۴۰

دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بیشک اللہ ضرور (بڑی) قوت والا (سب پر) غالب ہے (گویا حق اور باطل کے تضاد و تصادم کے انقلابی عمل سے ہی حق کی بقا ممکن ہے)o‘‘

اس آیت کریمہ کے مطابق مسلمانوں کے لیے لڑنا اس لیے حلال کیا گیا کہ ان پر ظلم و ستم کیا گیا، انہیں بے گھر اور بے وطن کیا گیا جبکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اب ان پر جنگ مسلط ہو رہی تھی اور انہیں اپنا دفاع کرنا تھا۔ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ** میں حملہ آور ہو کر تلوار اٹھانے کا اذن نہیں بلکہ دفاع کی جدوجہد کا اذن ہے تاکہ عبادت گاہیں محفوظ رہیں اور ہر کوئی پرامن ماحول میں اپنے اپنے دین پر عمل جاری رکھ سکے۔

مسلمان آخر تک اپنی بقاء کی جنگ لڑتے رہے ان کی تلوار ہمیشہ مظلوم کے دفاع میں اٹھتی جب انہیں غلبہ حاصل ہو جاتا تو پھر معاشرہ میں امن ہو جاتا، نماز قائم کی جاتی، زکوٰۃ دی جاتی، نیکی کا حکم دیا جاتا، برائی سے روکا جاتا اور ظلم کے خلاف لڑا جاتا۔

ضابطۂ جنگ بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط. [1]

’’اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو۔‘‘

اللہ اور اس کے رسولِ اکرم ﷺ کے احکامات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۹۰

عمل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چاہے جنگ کا میدان ہی کیوں نہ ہو پہلے صلح سے معاملہ حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے لیکن اگر دشمن صلح پر راضی نہ ہوں اور معاشرے کا مظلوم طبقہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا ہو تو اس ظلم کو روکنے اور معاشرے میں امن و امان کی صورتِ حال پیدا کرنے کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ ظلم کے خلاف تادیبی و انسدادی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (۱)

”اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی روا نہیں ○“

سوال نمبر ۸۶ : اسلام میں جہاد کا عمومی تصور کیا ہے؟

جواب: جہاد سے مراد کسی نیک کام میں انتہائی طاقت و کوشش صرف کرنا اور ہر قسم کی تکلیف اور مشقت برداشت کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانی جہاد کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ: اِسْتِرَاغُ الْوُسْعِ فِیْ مُدَافَعَةِ الْعُدُوِّ. (۲)

”دشمن کے مقابلہ و مدافعت میں فوراً اپنی پوری قوت و طاقت صرف

(۱) البقرہ، ۲: ۱۹۳

(۲) راغب الصفہانی، المفردات: ۱۰۱

کرنا جہاد کہلاتا ہے۔‘‘

جدید عصری تقاضوں، معروضی حالات، جہاد کی مختلف جہات، اقسام اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری جہاد کی مختصر اور جامع تعریف یوں فرماتے ہیں:

’’دینِ اسلام کی اشاعت و ترویج، سربلندی و اعلاء اور حصولِ رضائے الٰہی کے لئے اپنی تمام تر جانی، مالی، جسمانی، لسانی اور ذہنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو وقف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔‘‘

سوال نمبر ۸۷: جہاد کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: جہاد کو مسلسل عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کی رو سے اس کی درجِ ذیل اقسام ہیں:

۱۔ جہاد بالعلم
۲۔ جہاد بالعمل
۳۔ جہاد بالمال
۴۔ جہاد بالنفس
۵۔ جہاد بالقتال

۱۔ جہاد بالعلم

یہ وہ جہاد ہے جس کے ذریعے قرآن و سنت پر مبنی احکامات کا علم پھیلایا جاتا ہے تاکہ کفر و جہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور دنیا رشد و ہدایت کے نور سے معمور ہو جائے۔

۲۔ جہاد بالعمل

جہاد بالعمل کا تعلق ہماری زندگی سے ہے۔ اس جہاد میں قول کے بجائے عمل اور گفتار کی بجائے کردار کی قوت سے معاشرے میں انقلاب برپا کرنا مقصود ہے۔ جہاد بالعمل ایک مسلمان کیلئے احکامِ الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے اور اپنی زندگی کو ان احکام کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔

۳۔ جہاد بالمال

اپنے مال کو دین کی سر بلندی کی خاطر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جہاد بالمال کہتے ہیں۔

۴۔ جہاد بالنفس

جہاد بالنفس بندۂ مومن کیلئے نفسانی خواہشات سے مسلسل اور صبر آزما جنگ کا نام ہے۔ یہ وہ مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط ہے۔ شیطان براہ راست انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر نفس کو مطیع کر لیا جائے اور اس کا تزکیہ ہو جائے تو انسان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۵۔ جہاد بالقتال

یہ جہاد میدانِ جنگ میں کافروں اور دین کے دشمنوں کے خلاف اس وقت صف آراء ہونے کا نام ہے جب دشمن سے آپ کی جان مال یا آپ کے ملک کی سرحدیں خطرے میں ہوں۔ اگر کوئی کفر کے خلاف جنگ کرتا ہوا مارا

جائے تو قرآن کے فرمان کے مطابق اسے مردہ نہ کہا جائے بلکہ حقیقت میں وہ زندہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ O (۱)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں، (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔''

سوال نمبر ۸۸: تصوف سے کیا مراد ہے؟

جواب: تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیۂ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔

تصوف صرف روحانی، باطنی کیفیات اور روحانی اقدار و اطوار کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ علمی، فکری، عملی، معاشرتی اور تہذیبی و عمرانی تمام جہتوں میں اخلاص و احسان کا نام تصوف ہے۔

ائمہ تصوف نے اپنے تمام معتقدات، تصورات اور معمولات کی بنیاد قرآن و سنت کو ٹھہرایا ہے حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

''راہِ تصوف صرف وہی پاسکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن حکیم اور بائیں ہاتھ میں سنتِ رسول ﷺ ہو اور وہ ان دونوں

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۵۴

چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شک و شبہ کے گڑھوں میں گرے اور نہ ہی بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔‘‘

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں شیخ خضریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

التصوف صفاء السر من کدورة المخالفة.[۱]

’’باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک و صاف کردینے کا نام تصوف ہے۔‘‘

سوال نمبر ۸۹: رہبانیت کسے کہتے ہیں، اسلام میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: رہبانیت سے مراد، بے رغبتی اور کنارہ کشی ہے۔ اصطلاحاً نفسانی لذّات سے دستبردار ہونا اور دنیاوی فرائض سے کنارہ کشی کی راہ اپنانا، سماجی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے جنگلوں اور ویرانوں کا رخ کرنا، بیوی، بچوں اور معاشرتی زندگی کی دیگر مصروفیات سے منہ موڑ کر غاروں کی خلوتوں اور جنگلوں کی تنہائیوں میں ڈیرہ لگانا اور وہیں رہ کر کثرتِ عبادت و مجاہدہ بلکہ نفس کشی کے ذریعے وصالِ حق کی جستجو کرنا رہبانیت ہے۔ قرآن کی رو سے یہ طرزِ زندگی، حق کے متلاشیوں نے خود اختیار کیا تھا، ان پر فرض نہیں کیا گیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰـهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ

---

(۱) کشف المحجوب

اللہِ. (۱)

''اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (شروع کی تھی)۔''

اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں، جیسا کہ ایک حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا رَهْبَانِيَّةُ فِي الاِسْلَامِ. (۲)

''اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی زبانِ حال سے پکار پکار کر پوری امت کو یہ درس دے رہا ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور جامع نظامِ حیات مل جانے کے بعد اس کے پیرو کاروں کو رہبانیت جیسی بے جا مشقتوں کو برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ کتاب و سنت کی اتباع کے ذریعے اس دنیا میں رہ کر کاروبارِ زندگی کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے قربِ الٰہی کی منزل پا سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالٰی ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ

---

(۱) الحدید، ۵۷: ۲۷

(۲) ۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۸: ۸۷

۲۔ فتح الباری، ۹: ۱۱۱

وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُo[1]

”(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گیo“

سوال نمبر ۹۰: بدعت کسے کہتے ہیں اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ”بدعت“ عربی زبان کا لفظ ہے جو ”بَدَع“ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی سابقہ مادہ، اَصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا؛ یعنی کسی شے کو عدمِ محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں ”اِبداع“ کہتے ہیں۔

ابنِ حجر عسقلانی، بدعت کی لُغوی تعریف یوں کرتے ہیں:

البدعة أصلها: ما أحدث على غير مثال سابق.[2]

”بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا

---

(۱) النور، ۲۴:۳۷

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳

گیا ہو۔‘‘

قرآن مجید میں آنے والے بدعت کے مختلف مشتقات سے ان معانی کی توثیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو کسی مثال کے بغیر وجود عطا کیا تو لُغوی اعتبار سے یہ بھی ’’بدعت‘‘ کہلائی اور اس بدعت کا خالق خود اللہ تعالی ہے جو اپنی شانِ تخلیق بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتا ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاِذَا قَضٰٓى اَمْراً فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ o (۱)

’’وہی آسمانوں اور زمین کو (عدم سے) وجود میں لانے والا ہے اور جب وہ کسی چیز (کی اِیجاد) کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے: تو ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے o‘‘

اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ ہر وہ نئی چیز بدعت کہلاتی ہے جس کی مثل اور نظیر پہلے سے موجود نہ ہو۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور احسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً اِیصال ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن و حدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو بدعت اور مردود ہیں۔ یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن و سنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ جائز امور کا حکم کیا ہوگا کیونکہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا شریعت

(۱) البقرہ، ۲: ۱۱۷

میں حکم نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی بدعت کے گمراہی قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکام سنت کو توڑے۔

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاءِ اُمت اور ائمۂ حدیث نے اس کی مختلف تعریفات پیش کی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ بدعت کا اِصطلاحی مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

المحدثه والمراد بها ما أُحدث، وليس له أصلٌ في الشرع ويسمى في عرف الشرع "بدعة"، وما كان له أصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة، فالبدعة في عرف الشرع مذمومة بخلاف اللّغة: فإن كل شيء أحدث على غير مثال يسمى بدعة، سواء كان محمودًا أو مذمومًا (۱)

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۳

’’محدثہ امور سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اسی محدثہ کو اِصطلاحِ شرع میں ’’بدعت‘‘ کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو یا وہ اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط بدعتِ مذمومہ کو کہتے ہیں لغوی بدعت کونہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ حسنہ ہو یا بدعتِ سیئہ۔‘‘

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل، مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آ ثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ’’بدعت‘‘ ہے، لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز وحرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب و سنت کے واضح احکامات سے متصادم ہو۔

اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے، معروف غیر مُقلد عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها، والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة، بل هی مباح الأصل.(۱)

’’بدعت ضلالہ جو کہ حرام ہے وہ ہے جس سے کوئی سنت چھوٹ

---

(۱) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی: ۱۱۷

جائے اور جس بدعت سے کوئی سنت نہ چھوٹے وہ بدعت نہیں ہے بلکہ اپنی اصل میں مباح ہے۔‘‘

سوال نمبر ۹۱ : بدعت کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: ائمہ و محدّثین اور علماء و فقہاءِ اسلام نے ارشاد نبوی ﷺ اور سنّتِ خلفائے راشدین کی روشنی میں خاص علمی نظم سے بدعت کی درجِ ذیل اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ بدعتِ حسنہ ۲۔ بدعتِ سیئہ

لفظ ’’بدعتِ حسنہ‘‘ خود ہی اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ہر نیا کام ناجائز اور حرام نہیں ہوتا بلکہ ہر ایسا نیا کام جس کی کوئی اصل، مثال یا نظیر کتاب و سنت میں موجود ہو یا شریعت کے ساتھ اس کی کوئی مطابقت ہو، مزید برآں وہ مبنی بر خیر اور مبنی بر مصلحت ہو اور اصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتا ہو تو وہ ’’بدعتِ حسنہ‘‘ ہو گا۔ اس کے برعکس اگر وہ بدعت دینِ اسلام سے متضاد ہو، قواعدِ دین، احکامِ دین، احکامِ سنت اور دین کی مصلحتوں کے خلاف ہو، کتاب و سنت کے کسی حکم کو منسوخ کر کے فتنہ پیدا کر رہی ہو تو وہ ’’بدعتِ سیئہ‘‘ ہو گی۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والتحقیق انها ان کانت مما تندرج تحت مُستحسن فی الشرع فهی حسنة وان کانت مما تندرج تحت مستقبح

فی الشرع فهی مستقبحة.[1]

''ثابت یہ ہوا کہ اگر بدعت شریعت میں کسی مُستحسن امر کے تحت داخل ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر وہ شریعت کی نا پسندیدگی کے تحت آتی ہے تو وہ غیر پسندیدہ ہوگی۔''

اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أجْرُهَا، وَأجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ. مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ. وَمَنْ سَنَّ فِيْ الإِسْلاَمِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ[2]

''جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرے اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتدا کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے گناہ میں

---

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳
۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۶۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

کوئی کمی نہیں ہوگی۔‘‘

اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہاں لفظِ ’’سنّت‘‘ سے مراد سنّتِ شرعی نہیں ہے بلکہ سنّتِ لغوی ہے۔ اگر من سنَّ فی الإسلام سُنّۃً سے مراد شرعی معنی میں سنّتِ رسول ﷺ یا سنّتِ صحابہ ہوتی تو اسے سُنّۃً حَسَنَۃ اور سُنَّۃً سَیِّئَۃً میں ہرگز تقسیم نہ کیا جاتا۔ کیونکہ سنّتِ رسول ﷺ تو ہمیشہ حسنہ ہی ہوتی ہے، اس کے سیّئہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ نے لفظ تو ’’سنّت‘‘ کا استعمال فرمایا ہے مگر اس کے اطلاق میں حسنہ اور سیّئہ دو اقسام بیان کی ہیں اور ایک پر اجر اور دوسری قسم پر گناہ کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔

سوال نمبر ۹۲: اسلامی معاشرے کا قیام کیوں ضروری ہے؟

جواب: اسلامی معاشرہ قائم کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ شر کے خاتمے اور خیر کے فروغ کو یقینی بنایا جا سکے لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے ہر فرد معاشرہ کو اپنی اپنی سطح پر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ اسلام انسانیت کی بقاء، فلاح و بہبود اور ارتقاء کے زریں اصولوں کا امین ہے۔ حق کی پاسداری، انسانی معاشرے میں باہمی حقوق کا احترام اور اعلیٰ اقدار کا قیام و فروغ اسلامی تعلیمات کی بنیادی روح ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا

مَلَكَتُ اَيُمَانُكُمُ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنُ كَانَ مُخُتَالًا فَخُوُرَا ۝[۱]

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو ۝''

اسلامی معاشرہ کا قیام اسلام کا اجتماعی نصب العین ہے۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں تمام تر ہدایت دو سرچشموں سے حاصل ہوتی ہے: علم رسالت اور عملِ رسالت۔ علم رسالت قرآن حکیم ہے اور عملِ رسالت حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہے۔ اسلامی معاشرے کا قیام اس لیے ضروری ہے تاکہ ہر شخص اپنے حق کا مطالبہ کرنے کی بجائے اپنے فرض کی ادائیگی پر مامور ہو جائے یعنی معاشرتی زندگی کی بنیاد ''مطالبہ حقوق'' کے تصور کی بجائے ''ادائیگی فرائض'' کے تصور پر ہو تو ہر ایک کا حق ازخود ادا ہوتا رہے گا۔ مثال کے طور پر والدین کا فرض ہے کہ بچوں کی اچھی تربیت کریں، اولاد کا فرض ہے کہ والدین کی عزت و خدمت کریں، بیوی کا فرض ہے کہ خاوند کی اطاعت کرے، تو خاوند کا فرض ہے بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور اس کا نان و نفقہ پورا کرے۔ اس طرح طاقتور کا فرض ہے کہ کمزور کی مدد کرے اور امیر کا فرض ہے

---

(۱) النساء، ۴: ۳۶

کہ غریب کا معاشی تعطل دور کرے۔ جب لوگ دوسروں کے پاس اپنا حق مانگنے کی بجائے ان کے پاس چل کر ان کا حق ادا کرنے جائیں گے تو جو معاشرہ قائم ہوگا وہ اسلامی معاشرہ ہوگا اور اسلامی معاشرے کا قیام صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ اسلام کے نظامِ قانون میں کوئی ایسی روش پروان نہ چڑھے جس سے افرادِ معاشرہ کے حقوق پر زد پڑے بلکہ تحفظِ حقوق کی روایت کو فروغ ملے۔

سوال نمبر۹۳: سب سے پہلی اسلامی ریاست کا قیام کب اور کہاں عمل میں آیا؟

جواب: پہلی اسلامی ریاست مدینہ منورہ اس وقت وجود میں آئی جب حضور نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت وحکمت سے متضاد نظریات رکھنے والے طبقوں کو مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کی تأسیس و قیام کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس پیغام کے نتیجے میں مدینہ منورہ میں پہلی ریاست وجود میں آئی جس کا دستور میثاق مدینہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر۹۴: اسلام میں انسانی حقوق کا کیا تصور ہے؟

جواب: انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے اللہ رب العزت نے نوعِ انسانی کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت و تکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًاo [(۱)]

''اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیاo''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

یا ایها الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد ولا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی احمر الا بالتقویٰ. [(۲)]

''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔''

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۷۰

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۸۶، رقم: ۴۷۴۹

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، باب لا فضل لأحد علی احد إلا بالتقوی، ۸:۸۴

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب و نسب اور مال و دولت پر مبنی تعصّبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو کسی وقتی سیاسی مصلحت یا عارضی مقصد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ عالم ارضی میں اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ کی طرف سے بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے جاری کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کو حقوق انسانی سے متعلق دیگر تمام دستاویزات پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے۔ جو آج تک انسانی شعور نے تشکیل دیں، خطبہ حجۃ الوداع انسان کے انفرادی، اجتماعی، قانونی، معاشی، قومی اور بین الاقوامی تمام حقوق کا احاطہ کرتا ہے۔

سوال نمبر ۹۵ : اسلام میں والدین کے کیا حقوق بیان ہوئے ہیں؟

جواب: والدین سے حسن سلوک کو اسلام نے اپنی اساسی تعلیم قرار دیا ہے۔ اور ان کے ساتھ مطلوبہ سلوک بیان کرنے کے لئے ''احسان'' کی جامع اصطلاح استعمال کی جس کے معانی کمال درجہ کا حسن سلوک ہے۔

ہر مرد اور عورت پر اپنے ماں باپ کے حقوق ادا کرنا فرض ہے۔ والدین کے حقوق کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا
يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَا
اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَ قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ○ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ
صَغِيۡرًا ○ ؕ(۱)

''اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ''اف'' بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو ○ اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجزوانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا ○''

والدین کی خدمت و اطاعت اور تعظیم و تکریم عمر کے ہر حصے میں واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان، لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے ہے کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑچڑے ہوجاتے ہیں اور عقل وفہم بھی جواب دینے لگتی ہے اور انہیں طرح طرح کی بیماریاں بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔ وہ خدمت کے محتاج ہوجاتے ہیں تو ان کی خواہشات و مطالبات بھی کچھ ایسے

---

(۱) الاسراء، ۱۷: ۲۳۔۲۴

ہوجاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت (یعنی بچپن کا زمانہ) یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے ان سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔

جس طرح قرآن حکیم میں والدین کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اسی طرح کئی احادیثِ مبارکہ میں بھی والدین کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی ناک غبار آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو)۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ حضور نے فرمایا کہ جس نے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔[1]

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کی خدمت کرنے کو جہاد سے افضل قرار دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب البر و الصلة، باب رعم أنف من أدرك أبویه، ۴: ۱۹۷۸، رقم: ۲۵۵۱

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شریک جہاد ہونے کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا، آپ نے اس سے دریافت کیا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں زندہ ہیں آپ نے فرمایا **فَفِيْهِمَا فَجَاهِد** یعنی بس اب تم ماں باپ کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو یعنی ان کی خدمت سے ہی جہاد کا ثواب مل جائے گا۔[۱]

آپ ﷺ نے والدین کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! کوئی شخص اپنے والدین پر بھی لعنت کرسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبَّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ.[۲]

”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا یہ اور کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دیے اور وہ (بدلے میں) اس کی ماں کو گالی دے (تو یہ اپنے والدین پر لعنت کے

---

(۱) بخاری الصحیح، ۳: ۱۰۹۴، رقم: ۲۸۴۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب: الأدب، باب: لایسب الرجل والدیه، ۵: ۲۲۲۸، رقم: ۵۶۲۸

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب: الأدب، باب: فی بر الوالدین، ۴: ۳۳۶، رقم: ۵۱۴۱

مترادف ہے)۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ نے والدین کے انتقال کے بعد بھی نیک اعمال کا ایصال ثواب اور ان کے دوستوں سے حسنِ سلوک کی صورت میں ان سے حسن سلوک جاری رکھنے کی تعلیم دی۔

سوال نمبر ۹۶: اسلام میں رشتہ داروں کے کیا حقوق بیان ہوئے ہیں؟

جواب: اسلام رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور اچھے برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ سورہ النحل میں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○(۱)

’’بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو○‘‘

رشتہ دار مفلس ومحتاج ہوں اور کمانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو حسبِ استطاعت ان کی مالی مدد کرتے رہنا اسی طرح ان کی خوشی وغمی میں

---

(۱) النحل، ۱۶: ۹۰

ہمیشہ شریک رہنا، صلہ رحمی کرنا اور کبھی بھی ان کے ساتھ قطع تعلق نہ کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

حدیث مبارکہ میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قطع رحمی کرنے والا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔[1]

اسی طرح قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں رشتہ داروں کے معاشی حقوق پر بھی زور دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ o[2]

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے o‘‘

علاوہ ازیں احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غریب رشتہ

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب: الأدب، باب: اثم القاطع، ۵: ۲۲۳۱، رقم: ۵۶۳۸

(۲) البقرہ، ۲: ۲۱۵

داروں کی معاشی بحالی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ کمزور اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **ابوطلحہ** رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ (باغ) اپنے غریب اقارب کو دے دو، پس انہوں نے وہ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دے دیا (جو ان کے چچا زاد بھائی تھے)۔ [1]

سوال نمبر ۹۷: اسلام میں ہمسایوں کے کیا حقوق ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں ہمسایوں کے حقوق کی اتنی زیادہ اہمیت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے حقوق کی ادائیگی کے لحاظ سے قرابت داروں تک پہنچ گئے جن کو ادا کرنا ہر مرد و عورت کے لیے لازم اور ضروری قرار پایا۔

قرآن حکیم میں ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ○ [2]

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۱۱، رقم: ۲۶۰۰

(۲) النساء، ۴: ۳۶

ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبرّ کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو o''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ کون؟ فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جبرائیل ہمیشہ مجھے ہمسائے کے متعلق حکم پہنچاتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید اسے وارث بنا دیا جائے گا۔''[2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمسائے کی عزت نفس اور اس کے گھر کے تقدس کا

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب: الأدب، باب: من لا یؤمن جاه بَوَایِقَهٗ، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب: الأدب، باب: الوصاة بالجار، ۵: ۲۲۳۹، رقم: ۵۶۶۹

احترام کرنے کا حکم فرمایا۔ ہمسائے کے حقوق بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اس امر کی وضاحت بھی فرما دی کہ ہمسایہ کون ہے اور کس ہمسائے کے حقوق کو دوسروں کے حقوق پر فوقیت حاصل ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں عرض گزار ہوئی یا رسول اللہ ﷺ میرے دو ہمسائے ہیں۔ پس میں ان میں سے کس کے لئے تحفہ بھیجا کروں؟ فرمایا کہ ان میں سے جو دروازے کے لحاظ سے تمہارے زیادہ قریب ہے۔''(۱)

سوال نمبر ۹۸ : اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کیا ہیں؟

جواب: اسلام شرف انسانیت کا علمبردار دین ہے۔ ہر فرد سے حسن سلوک کی تعلیم دینے والے دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرفِ انسانیت کے منافی ہو۔ دیگر طبقات معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس معاملات دین میں جبر و اکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی، فرمایا گیا:

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قف .(۲)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب: الأدب، باب: حق الجوار فی قرب الأبواب، ۵: ۲۲۴۱، رقم: ۵۶۷۴

(۲) البقرہ، ۲: ۲۵۶

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ o (۱)

''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے o''

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتا ہے:

أَلاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أو انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۲)

''خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق

---

(۱) الممتحنة، ۶۰: ۸

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الخراج، باب في تشعير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۰۸، رقم: ۳۰۵۲

غصب کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو روزِ قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ خود بیرونی علاقوں سے آنے والے غیر مسلم وفود کی میزبانی فرماتے۔ جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

اِنَّهُمْ کَانُوْا لأصحاب مكرمين، فإني أحب أن أكافئهم. (۱)

’’یہ لوگ ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد میں ایک دفعہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

أنا أحق من وفى بالذمة. (۲)

’’غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔‘‘

اسلامی ریاست اقلیتوں کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ دار ہے۔ اقلیتوں

---

(۱) بیہقی، شعب الایمان، ٦: ۵۱۸، رقم: ۹۱۲۵

(۲) ابن أبي شيبة، المصنف ۵: ۴۰۸، رقم: ۲۷۴۵

کی جان کی حرمت کے متعلق الشعبی کا قول ہے۔

دیة الیهودی والنصرانی و کل ذمی مثل دیة المسلم.[1]

’’یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی مثل ہے۔‘‘

لہٰذا اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قرآن و سنت کی عطا کی گئی تعلیمات اور دورِ نبوت و دورِ خلافت راشدہ میں اقلیتوں کے حقوق کے احترام و تحفظ کے ان روشن نظائر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کو وہ حقوق اور تحفظ حاصل ہے جن کا تصور بھی کسی دوسرے معاشرے میں نہیں کیا جا سکتا۔

سوال نمبر ۹۹ : اسلام میں غیبت کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟

جواب: غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کے برے وصف کو اس کی عدم موجودگی میں اس طرح بیان کریں کہ اگر وہ سن لے تو برا مانے خواہ زبان سے بیان کرے یا بذریعہ اعضاء یا بذریعہ قلم یا کسی اور طریقے سے عیب جوئی کی جائے اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں تو یہ تہمت اور بہتان ہے۔ اسلام میں غیبت کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۱۰:۹۷، ۹۸

اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ
اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ o[1]

''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بیشک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے) اور (کسی کے عیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اور (اِن تمام معاملات میں) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے o''

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''غیبت گناہ میں بدکاری سے بڑھ کر ہے۔''

غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ باوجود ندامت اور توبہ کے اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں غیبت کو تمام کبائر سے زیادہ مہلک اور سنگین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص غیبت کرتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ غیبت نہ کرو تو وہ کہتا ہے میں تو اس شخص کا صحیح عیب بیان کر رہا ہوں یہ غیبت نہیں ہے۔ حالانکہ غیبت کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے غیبت کیا

---

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۲

چیز ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو اس کا بہتر علم ہے۔ ارشاد فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہے جو اسے بری لگی کسی نے عرض کیا اگر میرے بھائی میں وہ برائی موجود ہوتو کیا اس کو بھی غیبت کہا جائے گا؟ فرمایا جو کچھ تم کہتے ہو اگر اس میں موجود ہوتو جبھی تو غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات کہو جو اس میں موجود نہ ہوتو یہ تو بہتان ہے۔(۱)

سوال نمبر۱۰۰: اسلام نے عورت کو معاشرے میں کیا مقام دیا ہے؟

جواب: اسلام نے عورت کو ذلت اور غلامی کی زندگی سے آزاد کرایا اور ظلم و استحصال سے نجات دلائی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اور اسے بے شمار حقوق عطا کئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے درجے میں عورت اور مرد کو برابر رکھا ہے۔ انسان ہونے کے ناطے عورت کا وہی رتبہ ہے جو مرد کو حاصل ہے، ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ.(۲)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ۴: ۲۰۰۱، رقم: ۲۵۸۹

(۲) النساء، ۴: ۱

دونوں میں بکثرت مردوں اورعورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ کے اجر کے استحقاق میں دونوں برابر قرار پائے۔ مرد اور عورت دونوں میں سے جو کوئی عمل کرے گا اسے پوری اور برابر جزا ملے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج بَعْضُكُمْ مِّنْ م بَعْضٍ ج(۱)

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرما لی (اور فرمایا) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے میں سے (ہی) ہو‘‘

۳۔ نوزائیدہ بچی کو زندہ زمین میں گڑھ جانے سے نجات ملی۔ یہ رسم نہ تھی بلکہ انسانیت کا قتل تھا۔

۴۔ اسلام عورت کے لئے تربیت اور نفقہ کے حق کا ضامن بنا کہ اسے روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج کی سہولت ’’ولی الامر‘‘ کی طرف سے ملے گی۔

۵۔ عورت کی تذلیل کرنے والے زمانہ جاہلیت کے قدیم نکاح جو درحقیقت زنا تھے، اسلام نے ان سب کو باطل کرکے عورت کو عزت بخشی۔

۶۔ اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حقِ ملکیت عطا کیا ہے۔ وہ نہ صرف خود کما سکتی ہے بلکہ وراثت کے تحت حاصل ہونے والی املاک کی مالک بھی بن سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۵

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْکَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًاo[۱]

’’مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہےo‘‘

۷۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عورت کو بحیثیت ماں سب سے زیادہ حسنِ سلوک کا مستحق قرار دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوا یارسول اللہ ﷺ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ، عرض کیا پھر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری والدہ، عرض کی پھر کون ہے؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا تمہاری والدہ، عرض کی پھر کون ہے؟ فرمایا تمہارا والد۔[۲]

۸۔ وہ معاشرہ جہاں بیٹی کی پیدائش کو ذلت اور رسوائی کا سبب قرار دیا جاتا

---

(۱) النساء، ۴: ۷

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من احق الناس بحسن الصحبة، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶

تھا۔ اسلام نے بیٹی کو نہ صرف احترام و عزت کا مقام عطا کیا بلکہ اسے وراثت کا حقدار بھی ٹھہرایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ۚ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ‌ۚ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ‌ؕ. (۱)

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لئے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔''

۹۔ قرآن حکیم میں جہاں عورت کے دیگر معاشرتی اور سماجی درجات کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے وہاں بطور بہن بھی اس کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ بطور بہن عورت کا وراثت کا حق بیان کرتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ‌ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرٍّ‌ۚ. (۲)

''اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو جس کے

---

(۱) النساء، ۴: ۱۱

(۲) النساء، ۴: ۱۲

نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولا اور اس کا (ماں کی طرف سے) ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہو گی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔‘‘

۱۰۔ قرآنِ حکیم ہی کی عملی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیوی سے حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے اور میری بیوی حج کرنے جا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم واپس چلے جاؤ واپس چلے جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر چلے جاؤ۔‘‘ (۱)

اور اسی تعلیم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے۔

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خواتین کے لئے بھی اچھی تعلیم و تربیت کو اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے جتنا کہ مردوں کے لیے۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ عورت کو کم تر درجہ کی مخلوق سمجھتے ہوئے اس کی تعلیم و تربیت نظر انداز کر دی جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب کتابة الإمام الناس، ۳: ۱۱۱۴، رقم: ۲۸۹۶

الرَّجُلُ تَكُوْنُ لَهُ الْأَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيْمَهَا، وَ يُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا، ثُمَّ يُعْتِقُهَا، فَيَتَزَوَّجُهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ. (۱)

’’اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو پھر وہ اسے خوب اچھی تعلیم دے اور اس کو خوب اچھے آدابِ مجلس سکھائے، پھر آزاد کرکے اس سے نکاح کرے تو اس شخص کے لئے دوہرا اجر ہے۔‘‘

گویا مندرجہ بالا قرآنی آیات و احادیث نبوی سے پتہ چلا کہ اسلام نے عورت کو معاشرے میں نہ صرف باعزت مقام و مرتبہ عطا کیا بلکہ اس کے حقوق بھی متعین کر دیئے جن کی بدولت وہ معاشرے میں پرسکون زندگی گزار سکتی ہے۔

سوال نمبر ۱۰۱: اسلام کے معاشی نظام کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب: اسلام کے معاشی نظام کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ تمام مسائل جن پر انسان کا معاشی انحصار ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کی تخلیق ہیں۔

قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط. (۲)

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے۔‘‘

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب فضل من أسلم من اهل الکتابین، ۳: ۱۰۹۶، رقم: ۲۸۴۹

(۲) البقرة، ۲: ۲۸۴

۲۔ خالق کائنات، رازقِ کائنات بھی وہی ہے جو تمام مخلوقات کو رزق دیتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا. (۱)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔''

۳۔ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حق ملکیت تسلیم کرتا ہے۔ اس میں کچھ حدود و قیود لگائی گئی ہیں لیکن انسان کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا گیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔''

۴۔ اسلام حق معیشت میں مساوات کا قائل ہے۔ اسباب معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا مساوی حق فراہم کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا

---

(۱) ھود، ۱۱:۶

(۲) البقرۃ، ۲:۲۶۷

مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝ [1]

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو ۝''

۵۔ جس طرح اسلام حقِ معیشت میں مساوات کا داعی ہے اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ اسبابِ معشیت سے فائدہ اٹھانے کا حق دیتا ہے۔ اسی طرح حالات کو سامنے رکھتے ہوئے درجاتِ معیشت میں تفاوت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یعنی اسلام میں معاشی مساوات کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ذی روح کو دنیا میں رہنے کا حق حاصل ہو، محنت اور ترقی کے راستے سب کے لئے ہوں اور وہ معیشت میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اس کا فیصلہ اس کی محنت، قابلیت اور کام کرنے کی صلاحیت پر رکھا گیا ہے جتنا وہ کام کرے گا۔ اسی حساب سے معیشت میں اس کا درجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ‌ۚ. [2]

''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)۔''

اس کے پس منظر میں اس آیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہو گا۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) النحل، ۱۶: ۷۱

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo [1]

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o''

مذکورہ بالا اساسی تصورات کے ساتھ اسلام نے معاشیات کے میدان میں اخلاقی اقدار کی بھی نشاندہی کی ہے جن میں تقویٰ، احسان، ایثار، عدل، اخوت، تعاون، توکل، قناعت اور مساوات اہم ہیں۔ ان کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر۱۰۲: اسلام اور سائنس کا باہمی تعلق کیا ہے؟

جواب: اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو حصول علم پر زور دیتا ہے اور اس کا آغاز بھی حصول علم کے حکم سے ہوا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَۚo [2]

''(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایاo''

جبکہ سائنس وہ شعبہ علم ہے جو تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے اب اسلام ہی وہ دین ہے جس نے انسانیت کو تجربے اور مشاہدہ سے متعارف کرایا۔

---

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹

(۲) العلق، ۹۶: ۱

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ ج [1]

''بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ۝''

قرآن حکیم نے سائنسی شعور عطا کرتے ہوئے کائنات کی تسخیر کرنے کی تعلیم دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط [2]

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔''

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم فطرت کے اسرار کو سمجھیں اور اس کی تسخیر کریں۔ ایسے ہی بقیہ مذاہب کی طرح سائنس اور اسلام کے مابین کوئی تضاد یا تعارض نہیں ہے بلکہ اسلام ہی کا عطا کردہ ایک رویہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا میں ہونے والی سائنسی ترقی کی بنیاد مسلمانوں ہی کی مرہونِ منت ہے۔

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۰

(۲) الجاثیہ، ۴۵: ۱۳

سوال نمبر۱۰۳: اسلام انسانی زندگی میں کیسا انقلاب بپا کرنا چاہتا ہے؟

جواب: اسلام انسانی زندگی میں درج ذیل تین سطحوں پر انقلاب بپا کرنا چاہتا ہے اور اپنے پیروکاروں سے اِن تین سطحوں پر اطاعت وتسلیم کا اعلیٰ معیار چاہتا ہے:

۱۔ انفرادی سطح ۲۔ اجتماعی سطح ۳۔ بین الاقوامی سطح

انفرادی سطح پر انقلاب یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے، جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاo وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاoط(۱)

’’بیشک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو ونما کی)o اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)o‘‘

اجتماعی سطح پر انقلاب میں پوری قوم شامل ہے۔ قرآن حکیم اس سطح پر انقلاب بپا کرنے کے لئے بھی ہدایت دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْاقف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo(۲)

’’اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدمی میں (دشمن سے بھی) زیادہ

---

(۱) الشمس، ۹۱: ۹، ۱۰

(۲) آل عمران، ۳: ۲۰۰

محنت کرو اور (جہاد کے لئے) خوب مستعد رہو، اور (ہمیشہ) اللہ کا تقویٰ قائم رکھو تاکہ تم کامیاب ہوسکوo''

بین الاقوامی سطح پر انقلاب کی رہنمائی بھی قرآن حکیم سے میسر آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَo [1]

''یہ تو صرف جہان والوں کیلئے نصیحت ہےo''

بین الاقوامی زندگی میں عداوت اور عناد ہمہ وقت کسی نہ کسی سطح پر تضاد یا تصادم کی صورت میں موجود رہتا ہے۔ اس صورتحال کا علاج تمام باطل اور طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں حق کی عالمگیر فتح کا نصب العین ہے۔

ان تمام قرآنی دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام انسانی زندگی کی انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطحوں پر مکمل تبدیلی اور ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔

سوال نمبر۱۰۴: فرقہ پرستی سے کیا مراد ہے اور اس کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

جواب: اسلام میں فرقہ پرستی کا کوئی تصور نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. [2]

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت

---

(۱) الانعام، ۶:۹۰

(۲) آل عمران، ۳:۱۰۳

ڈالو۔‘‘

مندرجہ بالا آیت دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلا حصہ امر اور دوسرا نہی پر مبنی ہے۔ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، یہ مثبت حکم تھا لیکن اس کے بعد نہی کا حکم ہے کہ خبردار! تم باہمی تفرقہ اور انتشار کا شکار نہ ہونا۔

حضور نبی اکرم ﷺ فرقہ پرستی کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَدُ اللهِ مَعَ الجَمَاعَةِ، وَ مَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ. (۱)

’’اجتماعی وحدت کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، جو کوئی جماعت سے جدا ہوگا وہ دوزخ میں جا گرے گا۔‘‘

اسلام انسانیت کی بقاء، معاشرے میں امن و سلامتی، اتحاد، اخوت اور بھائی چارے کا ضامن ہے۔ اس میں فرقہ پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ط. (۲)

’’بیشک جن لوگوں نے (جدا جدا راہیں نکال کر) اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور وہ (مختلف) فرقوں میں بٹ گئے، آپ کسی چیز میں ان کے (تعلق دار اور ذمہ دار) نہیں ہیں۔‘‘

(۱) ترمذی، السنن، کتاب الفتن عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، ۴: ۳۹۔۴۰، رقم: ۲۱۶۷

(۲) الانعام، ۶: ۱۵۹

اس آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے کوئی سروکار اور تعلق نہ رکھیں، جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی جمعیت کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ علاوہ ازیں ملی شیرازہ کو تفرقہ و انتشار کے ذریعے تباہ کرنے والوں کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے انتہائی سخت احکامات صادر فرمائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص بھی تمہاری جماعت کی وحدت اور شیرازہ بندی کو منتشر کرنے کے لئے قدم اٹھائے اس کا سر قلم کر دو۔''(۱)

گویا مذکورہ بالا قرآنی آیت اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اسلام میں فرقہ بندی اور تفرقہ پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

سوال نمبر ۱۰۵ : اس وقت تحریک منہاج القرآن ایک ہمہ گیر تحریک ہونے کے ناطے کیا کردار ادا کر رہی ہے؟

جواب: شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے غلبۂ دین حق کی بحالی اور امت مسلمہ کے احیاء و اتحاد کی خاطر عالمگیر انقلاب محمدی کے لئے ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو تحریک منہاج القرآن کی بنیاد رکھی۔ تب سے تحریک کی جدو جہد کا دائرہ کار درج ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ اصلاحِ احوالِ امت

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب حکم من فرق امر المسلمین و هو مجتمع، ۳: ۱۴۷۸، رقم: ۱۸۵۲

۲۔ تجدید و احیائے دین

۳۔ فروغ تعلیم و بیداری شعور

۴۔ عالمگیر اتحادِ امت

۵۔ دعوت و افکار اسلامیہ کی تشکیل نو

۶۔ بین المذاہب رواداری اور امنِ عالم کا قیام

۷۔ فلاح و بہبود انسانی

۲۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جدوجہد

ان مقاصد کے لئے تحریک پاکستان کے ۱۵ کروڑ عوام تک دعوتی، تربیتی اور تنظیمی پروگراموں کے ساتھ شہر شہر، گاؤں گاؤں پیغام انقلاب پہنچانے میں مصروف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا بھر کے ۸۰ سے زائد ممالک میں تحریک انہی جہتوں میں پوری طرح فعال ہے۔ ان ممالک میں براعظمی، ملکی اور شہری سطح کی تنظیمات کا باقاعدہ نیٹ ورک موجود ہے اور دعوت وتبلیغ، تعلیم و تربیت اور فلاح و بہبود کے شعبوں میں کام ہو رہا ہے۔

۳۔ دعوت و تربیت اور تجدید و احیائے دین

بانی تحریک کی ہزاروں موضوعات پر آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز ملک میں اور بیرون ممالک جہاں جہاں تنظیمات قائم ہیں پہنچانے کا وسیع نظام ہے اس کے علاوہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تین سو زائد کتب بھی منظر عام پر آ چکی ہیں جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر قارئین تک پہنچائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ملکی اور غیر ملکی شخصیات دروس قرآن پر منظّم کام کر رہی ہیں جبکہ

تحریک کے مرکز پر گوشۂ درود قائم کیا گیا ہے جہاں پر ۲۴ گھنٹے روزہ دار رفقائے تحریک درود پاک پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں اور ملکی و غیر ملکی تنظیمات بھی درود پاک پڑھ کر مرکز پر ارسال کر دیتی ہیں۔ ماہانہ ختم درود کے موقع پر بارگاہ رسالت میں قبولیت کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح تزکیہ نفس اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے ہمہ گیر کام ہو رہا ہے۔

۴۔ فروغ تعلیم کے وسیع منصوبہ جات

منہاج ایجوکیشن سوسائٹی و منہاج یونیورسٹی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بیداری شعور کے لئے ۵۰۰ سے زائد ماڈل سکولز، کالجز، لائبریریز اور ایک چارٹرڈ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے۔ ان تعلیمی اداروں کے قیام کا بنیادی مقصد طلباء و طالبات میں تعلیم اور شعور کو فروغ دینا ہے۔ یہ ادارے علوم عصریہ و شریعہ کا حسین نمونہ ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کی نگرانی کے لئے منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کام کر رہی ہے۔ منہاج یونیورسٹی میں ۳۵۰۰ طلبہ ۴ ماڈل کالجز میں ۵۱۸۲ طلباء و طالبات ۳۱۰ ماڈل سکولز میں ۴۲۰۰۰ اور ۲۲۵ پبلک سکولوں میں ۲۸۰۰۰ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔

۵۔ منہاج ویلفیئر سوسائٹی

فلاح و بہبود کے اہداف کے حصول کے لئے منہاج القرآن ویلفیئر سوسائٹی ایک فعال اور متحرک فورم ہے جو خدمت کے سفر میں قدم قدم ایثار و قربانی اور خلوص و محبت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مصروفِ

جدوجہد ہے۔

سالانہ فری آئی کیمپ میں ۸۰۰ سے زائد مریض شفا یاب ہو چکے ہیں جبکہ ۱۰۰ سے زائد ڈسپنسریز اور بلڈ بینکس مصروفِ عمل ہیں۔ یتیم اور بے سہارا بچوں کی نگہداشت اورنشوونما کے لئے آغوش کے نام سے ادارہ زیرِ تکمیل ہے۔ منہاج ویلفیئر سوسائٹی قدرتی آفات کا مقابلہ کرنے کے لئے وسیع بین الاقوامی سطح پر جدوجہد میں شب و روز مصروف ہے اور زلزلہ، قحط، سیلاب زدگان اور مہاجرین کی خدمت کے لئے اب تک افغانستان، بوسنیا، بام (ایران) اور حالیہ زلزلہ آزاد کشمیر و صوبہ سرحد میں کروڑوں روپے مالیت کی امداد سے مطلوبہ سہولیات فراہم کرکے دکھی انسانوں کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے چکی ہے جبکہ دور جبکہ دور افتادہ علاقوں میں پانی کی فراہمی کے لئے ۲۵۰ پمپ نصب کرائے گئے۔ ساڑھے تین کروڑ سے زائد روپے ااجتماعی شادیوں، جہیز فنڈ اور ناداروں کی امداد کے لئے خرچ کئے گئے۔ منہاج سٹوڈنٹ ویلفیئر بورڈ کے تحت منہاج القرآن کے تعلیمی اداروں میں علم حاصل کرنے والے غریب مگر لائق اور مستحق ہزاروں طلبہ کے لئے لاکھوں روپے کے تعلیمی اخراجات ادا کئے جاتے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن کے شعبہ جات

تحریک منہاج القرآن میں ہر شعبۂ زندگی کی نمائندگی دینے کے لئے افراد کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، ملک و ملت کو ان قابلیتوں سے استفادہ کرنے اور اجتماعی قوت ابھارنے کے لئے علماء کونسل، یوتھ لیگ، ویمن لیگ، ریسرچ انسٹیٹیوٹ اور مصطفوی سٹوڈنٹ موومنٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

رفقاء، اراکین و وابستگان

تحریک منہاج القرآن ایسی تحریک ہے جس کے رفقاء، اراکین و وابستگان کی تعداد لاکھوں میں ہے او اس کے رفقاء و اراکین کے لئے عمر و جنس کی کوئی قید نہیں۔ ان میں مرد عورتیں بچے بوڑھے سب شامل ہیں جن کا تعلق نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک سے بھی ہے۔

تنظیمی و انتظامی ڈھانچہ

تحریک منہاج القرآن کا لائحہ عمل اور طریق کار بنیادی طور پر جمہوری نوعیت کا ہے جو باقاعدہ تنظیمی و انتظامی نظم کے تحت رُو بہ عمل ہے۔ اس کام کو سائنسی بنیادوں پر سرانجام دینے کے لئے مختلف نظامتیں کام کر رہی ہیں مثلاً نظامتِ تنظیمات، نظامتِ دعوت و تربیت، نظامتِ تعلیمات، نظامتِ تعمیرات، نظامتِ مالیات، نظامتِ تحقیق و تبلیغات، نظامتِ ابلاغیات، نظامتِ امور خارجہ، نظامتِ منصوبہ بندی و ترقیات اور نظامتِ شماریات وغیرہ۔

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم**

۲۔ **ابن ابی شیبہ**، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمانی کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/۷۷۶۔ ۸۴۹ء) ۔**المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب، مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۳۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ) ۔**الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۴۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ) ۔**جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۵۔ **ابن ماجہ**، ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء) ۔**السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۶۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان، دار صادر۔

۷۔ **ابوداؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء) ۔**السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۸۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء) ۔**المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۹۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء) ۔**الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۰۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء) ۔**المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۱۱۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء) ۔**السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۲۔ **بیہقی**، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء) ۔**شعب الایمان**۔ بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء ۔

۱۳۔ **ترمذی**، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء) ۔**الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ **حصکفی**، علامہ الشیخ علاء الدین الحصکفی (۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ **در مختار علی ھامش الرد**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۱۵۔ **دارقطنی**، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء) ۔**السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۱۶۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسی اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔**الموافقات فی اصول الشریعہ**۔ قاہرہ، مصر مطبع المدنی، ۱۹۶۹ء۔

۱۷۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۸۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، **عرفان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۱۹۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۲۰۔ **طحطاوی**، شیخ احمد حنفی ۔**مراقی الفلاح شرح نور الایضاح**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ۔

۲۱۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔ ۸۲۶ء) **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۲۲۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء) ۔**فتح الباری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۲۳۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تہذیب التہذیب**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۲۴۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء) ۔**الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۵۔ **نووی**، ابوزکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء) **شرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۲۶۔ **وحید الزمان**، (۱۳۲۷ھ)۔ **هدیة المهدی**۔ فیصل آباد، پاکستان: چشتی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء۔

۲۷۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوئد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۸۔ **ہندی حسام الدین**، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ) ۔**کنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/۱۹۷۹۔

کتب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔ تفسیر سورۃ فاتحہ

۲۔ مقدمہ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد اوّل)

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)

۴۔ ارکان اسلام

۵۔ فلسفۂ نماز

۶۔ لا إکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ

۷۔ تکمیل الصحیفة بأسانید الحدیث فی الإمام أبی حنیفة

۸۔ الانوار النبویة فی الأسانید الحنفیّة

۹۔ المنهاج السوی من الحدیث النبویّ

۱۰۔ شہادتِ توحید

۱۱۔ حقیقتِ توحید و رسالت

۱۲۔ کتابُ البدعة

۱۳۔ البدعة عند الأئمة والمحدّثین

۱۴۔ فضیلتِ درود وسلام

۱۵۔ ذکرِ الٰہی

۱۶۔ حسنِ اعمال

۱۷۔ آدابِ نماز

۱۸۔ نماز اور فلسفہ اجتماعیت

۱۹۔ نماز کا فلسفہ معراج

۲۰۔ فلسفہ صوم

۲۱۔ فلسفہ احکام و حج

۲۲۔ اسلامی تربیتی نصاب (جلد اول)

۲۳۔ عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد

۲۴۔ الحکم الشرعی

۲۵۔ اسلام کا تصور علم

۲۶۔ تعلیماتِ اسلام

۲۷۔ حقیقت جہاد

۲۸۔ اسلامی فلسفہ زندگی

۲۹۔ اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام

۳۰۔ **الحقوق الانسانیہ فی الاسلام**

۳۱۔ تصورِ دین اور حیات نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو

۳۲۔ اسلام اور جدید سائنس

۳۳۔ عقیدہ توحید اور حقیقت شرک

۳۴۔ تحریک منہاج القرآن انٹرویوز کی روشنی میں

آڈیو خطابات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔ اسلام کا معنی مفہوم	Da-1,2
۲۔ ایمان اور اسلام	Da-3/1,2
۳۔ نماز کی فرضیت اور اہمیت	Dc-1
۴۔ نماز کے ظاہری اور باطنی آداب	Dc-2,3,4,5,6
۵۔ روزہ کی حکمت و افادیت	Dd-1,2
۶۔ حج کا تاریخی پس منظر	Dc-1,2
۷۔ مناسک حج اور ان کی حقیقت	Df-1,2-3,4
۸۔ زکوٰۃ کا لغوی معنی و مفہوم	Ba-3
۹۔ ایمان، اسلام، احسان اور علامات قیامت کا بیان	Ba-3
۱۰۔ اسلام اور ہماری زندگی (دین کا مفہوم کیا ہے؟	Ha-5,6
۱۱۔ روزے کے فضائل	Ba-5

۱۲۔	اسلام بطور دین	Ha-1
۱۳۔	فلسفہ دعوت و تبلیغ	Hd-3,4,5,6,7,8
۱۴۔	فلسفہ اجتہاد	Hc-7
۱۵۔	اسلامی نظامِ معیشت	Hg-3
۱۶۔	دین، مذہب اور سیاست کا باہمی تعلق	Hh-14,15,16,17
۱۷۔	اسلام اور سائنس	Hj-1/1,2
۱۸۔	اسلام اور جدید سائنس	Hj-8/1,2
۱۹۔	اسلام کا تصور معیشت	Hk-3/1,2
۲۰۔	اسلامی معاشرے میں عورتوں کا مقام	Hi-4

ویڈیو خطابات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔	اسلام اور تصور معیشت	Fh-3
۲۔	دین کا مفہوم کیا ہے؟	Fc-2
۳۔	اسلام کا تصور دین	Fd-1
۴۔	فلسفہ دعوت و تبلیغ	Fd-2
۵۔	فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟	Fc-2
۶۔	دین، مذہب اور سیاست کا باہمی تعلق	Ff-2
۷۔	اسلام اور سائنس	Ff-1
۸۔	اسلام اور جدید سائنس	Fg-5
۹۔	مذہب اور سائنس	Fg-8
۱۰۔	قرآن اور تصور جہاد	Ha-4
۱۱۔	قرآن اور پیغام جہاد	H1-5,6,7
۱۲۔	جہاد بالمال	La-1